www.urducouncil.nic.in

جون 2025 ، قیمت :- 15 ₹

ماهنامه

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly **BACHON KI DUNIYA**, New Delhi

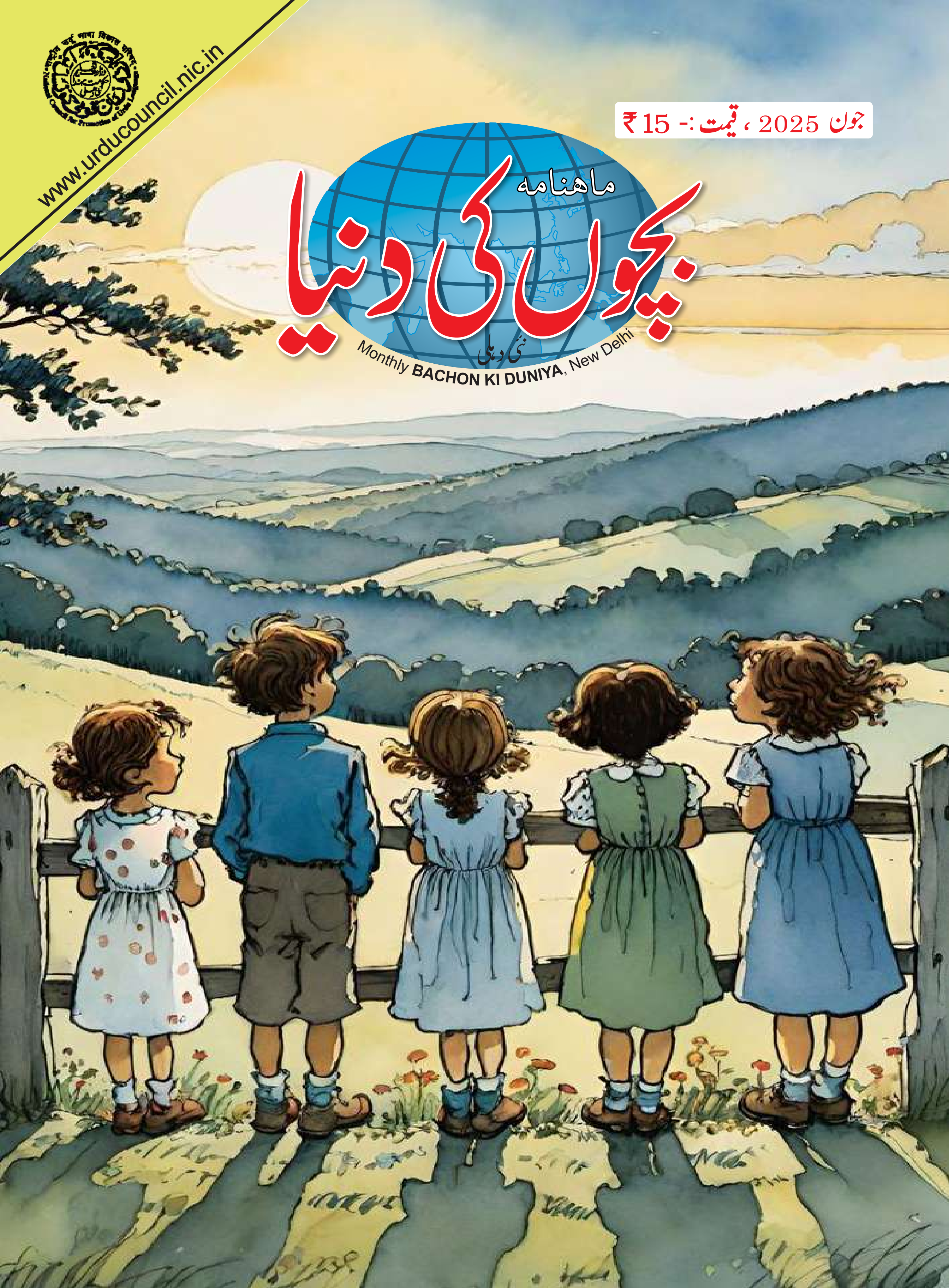

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اردو دنیا دہلی

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 25 روپے، سالانہ: 240 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

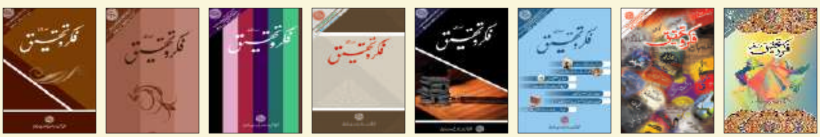

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندوستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا

جلد: 13 شمارہ: 06 جون 2025

مدیر : ڈاکٹر شمس اقبال

نائب مدیر : ڈاکٹر عبدالباری

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان
وزارتِ تعلیم ـ محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025

فون: 49539000
شعبہ ادارت: 49539009-11
ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /15 روپے، سالانہ /145 روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی-110066
فون: 26109746

ای میل: sales@ncpul.in

علاقائی مرکز: 22-7-110، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھرگٹی، حیدرآباد-500002
فون: 040-24415194

اس شمارے میں

اداریہ	مدیر	04
ڈاک خانہ	قارئین	05
مضامین		
بنکم چندر چٹرجی	سید محمد ابراہیم فکری	07
آم کے کرشماتی فائدے	رفیع الدین ناصر	09
یوگا سے دوستی، بیماریوں سے نجات	فہیم اشرف	12
علم کی اہمیت	نورعین سلیمانی	15
ماحولیات		
ماحول کو بچائیں	کوثر صدیقی	17
پھول پودوں کا دوست	قاضی مشتاق احمد	18
پودے کی تعریف	انصار احمد معروفی	20
زمینی اور صنعتی آلودگی	ادریس صدیقی	21
نظمیں		
گرمیاں آگئیں	جگن ناتھ آزاد	24
خوب چھٹی ہوئی خوب چھٹی ہوئی	محمد شفیع الدین نیر	25
یہ سوچتے ہیں پیہم	عطا عابدی	26
لایا ہوں میں لیمن جوس	مناظر حسن شاہین	27
دادا ہمارے	مصباح الدین طارق	27
نظرانداز کرو	جاوید رانا	28
مور	عمران شجر	29
کہانیاں		
دودھ کا سیلاب	محمد اسداللہ	30
ایک تھی نانی	انیس اعظمی	35
خیالی رام کی ہانڈی	پرویز مانوس	38
بگلے کی چالاکی	عبدالقدوس	42
سائنس		
مچھلی کے بچے	زاہدہ خاتون	44
صحت		
بیماریوں سے تحفظ	ستیہ گپتا، مترجم : شمیم نکہت	53
واقفیت عامہ		
تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات	ادارہ	58
کہکشاں		
چمن چمن کے پھول		59
ننھے فنکار		
پینٹنگ		60

پیارے بچو! 21 جون کو پوری دنیا میں یوگا کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔ اچھی صحت ہر انسان کا بنیادی حق ہے اور صحت مند رہنے کے لیے ورزش بہت ضروری ہے۔ جب انسان صحت مند ہوتا ہے تو اس کے ذہن ودماغ میں نئے نئے خیالات اور آئیڈیاز آتے ہیں۔ 21 جون 2015 کو پہلی بار عالمی طور پر یوگا منایا گیا تھا اس کے بعد سے ہر سال اس کا بڑے ہی زور وشور سے انعقاد کیا جاتا ہے اور پوری دنیا میں خاص طور پر ہمارے ملک ہندوستان میں اسے تہوار کے طور پر منایا جاتا ہے۔ یوگا کے معنی جوڑنے اور متحد کرنے کے آتے ہیں اور یوگا صرف جسمانی ورزش نہیں بلکہ یہ اصول وقواعد کے ساتھ زندگی گزارنے کا نام ہے۔ اس سے نہ صرف جسمانی نشو ونما ہوتی ہے بلکہ ذہنی، اخلاقی اور روحانی ترقی بھی ہوتی ہے۔

بچو! یوگا کی اہمیت ہر دور میں رہی ہے لیکن آج اس کی اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ ہے اس لیے کہ آج کل ہمارا زیادہ تر وقت ٹی وی، موبائل اور کمپیوٹر وغیرہ پر صرف ہوتا ہے۔ گھر کے باہر گھومنا، پھرنا، کھیلنا، کودنا وغیرہ کم ہو گیا ہے جس کی وجہ سے ہماری صحت متاثر ہو رہی ہے۔ الیکٹرانک آلات کے زیادہ استعمال کی وجہ سے آنکھوں کی بینائی کمزور ہو رہی ہے، ذہنی دباؤ، تناؤ اور ڈپریشن بڑھ رہا ہے اور لوگ چڑچڑے پن کا شکار ہو رہے ہیں۔ ایسے وقت میں یوگا ان مسائل سے نمٹنے کا قدرتی طریقہ ہے اور یہ ہمیں پرسکون اور صحت مند رہنے میں مدد کر سکتا ہے۔ پرایا نام، مختلف طرح کے آسن، مدرا، کریا اور دھیان وغیرہ یوگا کی ایسی مشقیں ہیں جن کی وجہ سے ذہن کو یکسوئی حاصل ہوتی ہے، اچھی نیند آتی ہے، سانس کا نظام بہتر ہوتا ہے۔ یوگا کے بے شمار فائدے ہیں۔ یہ ہمیں وقت کی پابندی سکھاتا ہے اور نظام زندگی کو خوب سے خوب تر بنانے میں ہماری مدد کرتا ہے۔ یوگا سے سستی ختم ہوتی ہے اور ہر کام کرنے میں ایک طرح کی انرجی اور توانائی محسوس ہوتی ہے۔ اس لیے یوگا کو اپنی روزمرہ کی زندگی میں شامل کریں۔

پیارے بچو! یوگا کرنے کے لیے پرسکون جگہ کی ضرورت ہوتی ہے، جیسے گھر کا کوئی کونا، پارک یا اسکول وغیرہ ایسی جگہیں ہیں جہاں پر یوگا کے آسن کو بہتر طریقے سے کیا جا سکتا ہے۔ یوگا کی مشقیں بہت آسان ہوتی ہیں اور اگر روزانہ پندرہ بیس منٹ بھی یوگا کے لیے وقت نکالا جائے تو یہ ہماری صحت کے لیے بہت مفید ہوگا اور اس سے ہم اپنے آپ کو چست ودرست اور خوش مزاج بنا سکتے ہیں۔ جون 2025 کے شمارے میں یوگا سے دوستی بیماریوں سے چھٹی کے عنوان سے ایک مضمون دیا جا رہا ہے جس میں یوگا کا تعارف، یوگا کی اہمیت، اس کا تاریخی پس منظر، یوگا کے اقسام اور اس کے فائدے وغیرہ پر تفصیلی بات کی گئی ہے جس سے یوگا سے متعلق معلومات میں اضافہ ہوگا اور اس کی اہمیت وافادیت سے بھی ہم واقف ہوں گے۔

آپ کا

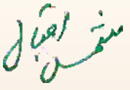

ڈاک خانہ

’بچوں کی دنیا‘ برائے ماہ اپریل 2025 وصول ہوا۔ سرورق پر معصوم بچے پانی کے چشمے میں کاغذ کی ناؤ لیے پھول اور پھل کے درمیان بازی گری میں مسرور ہیں۔ کیا ہی سہانا منظر ہے۔ دل کھوسا جاتا ہے۔ مگر زندگی کی حقیقتوں سے ہمیں اداریے میں آگاہ کیا گیا ہے مثلاً موبائل جو ہماری زندگی

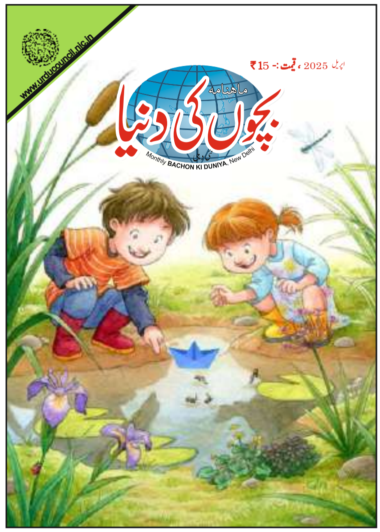

کا لازمی جز بن چکا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دیگر الیکٹرانک آلات جیسے ای میل، فیس بک، واٹس ایپ، انسٹاگرام، ویڈیو کال وغیرہ نے جہاں ہماری زندگی آسان کردی ہے وہیں ان میں پوشیدہ خطرات بھی ہیں جو زندگی کو اجیرن کرسکتے ہیں۔ اس لیے آپ کو ہدایت دی گئی ہے کہ ان چیزوں سے تعلیمی استفادہ کریں اور برائیوں کو نظر انداز کریں تو آپ کی زندگی منزل مقصود تک پہنچ سکتی ہے ورنہ بربادی کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ صحت خراب، کیریر تباہ! ! بہرحال اس کے علاوہ اس شمارے میں آٹھ اصنافِ سخن شامل ہیں جیسے مضامین میں بچوں کی تربیت، نظموں میں اے پرندو لوٹ آؤ، کتابوں کا موسم، موبائل یا بلا، کہانیوں میں اچھی اچھی نو کہانیاں جیسے بوجھ، یہ دوستی ہم نہیں چھوڑیں گے، چارہ گر، مقابلہ وغیرہ۔ پہلے کی طرح قسط وار پر لطف کہانی پھر مزید مضامین جیسے ’سائنس‘، ’واقفیت عامہ‘، ’زبان شناسی‘ کے ذیل میں دیے گئے ہیں۔ ان میں ’زبان شناسی‘ کا بار بار مطالعہ کریں اور آخر میں ننھے فنکاروں کی پینٹنگ سے بھی واقف ہوں۔ کیا ہی اچھا شمارہ ہے۔ اس کا ضرور مطالعہ کریں۔ اچھا بچوں، اللہ حافظ۔

مصطفیٰ ندیم خاں غوری، زریں ولا، بی-11، گرین ویلی، روضہ باغ، چھترپتی سنبھاجی نگر (اورنگ آباد)، مہاراشٹر، موبائل: 9604957100

ماہنامہ ’بچوں کی دنیا‘ رسالہ کئی ماہ سے پڑھ رہا ہوں۔ ہر بار کے رسالے میں دلچسپ اور سبق آموز کہانیاں، نظمیں اور مضامین کے ساتھ ساتھ قسط وار ناول بھی شائع ہوتا ہے۔ اس بار کا اپریل 2025 کا شمارہ پڑھا کافی محظوظ ہوا اور ساتھ ہی کافی نئی معلومات بھی فراہم ہوئیں۔ آپ کا لکھا ہوا موبائل فون پر اداریہ کافی نصیحت آمیز ہے جس

میں آپ نے بہت ہی خوبصورت انداز میں موبائل فون کی ضرورت، اس کے مثبت اور منفی پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ ’چندر ینگنے والے جانور‘ اپنی نوع کا ایک جامع مضمون ہے جو پڑھنے میں دلچسپ ہونے کے ساتھ کافی علمی بھی ہے۔ ’کروتم مہربانی اہل زمین پر‘ اور ’بچوں کی تربیت‘ اصلاحی مضامین ہیں جن کو قاری اپنے وجود سے جوڑ کر پڑھتا ہے اور خود اصلاح کی کوشش کرتا ہے اس کے علاوہ اے پرندو لوٹ آؤ، کتابوں کا موسم، موبائل یا بلا اور پیڑ پودے کا شمار بہترین نظموں میں کیا جا سکتا ہے جن کو پڑھ کر مسرت کا احساس ہوتا ہے۔ کہانیوں میں بارہ مہینوں کی کہانی، وفادار کتا، روشنی کا چراغ اور یہ دوستی ہم نہیں توڑیں گے اتنی دلچسپ ہیں کہ ان کو پورا پڑھے بغیر دل نہیں مانتا۔ کہانی ’وفادار کتا‘ سے جہاں ہمیں وفا کی سیکھ ملتی ہے تو وہیں کہانی ’یہ دوستی ہم نہیں توڑیں گے‘ ہمیں صداقت کے ساتھ زندگی گزارنے کی تعلیم دیتی ہے۔ یہ شمارہ فکشن، تاریخی، سماجی اور سائنسی معلومات فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ قاری کو لطف اور مسرت بخشتا ہے۔

محمد نوید: 32/230، بیسن کی بستی، لوہا منڈی، آگرہ

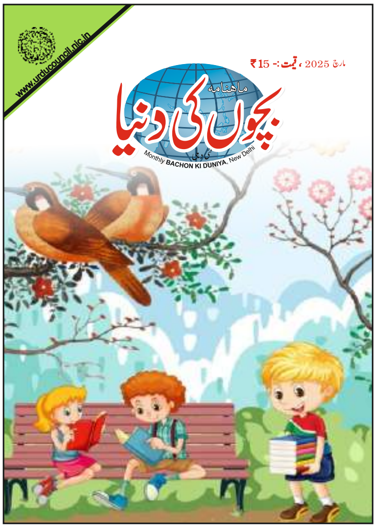

ماہنامہ ’بچوں کی دنیا‘ مارچ کا شمارہ موصول ہوا۔ کور صفحے پر ٹیبل پر بیٹھے بچوں کی تصویر اور پرندوں کی ٹہنی پر لی گئی تصویر کافی پسند آئی۔ آپ کا اداریہ نصیحت آموز ہے۔ یہ بات درست ہے کہ ہمیں وقت کی قدر کرتے ہوئے اس کے صحیح استعمال پر توجہ دینی چاہیے۔ وقت قدرت کا بیش قیمت اور انمول تحفہ ہے۔ بچوں کو چاہیے کہ وہ درسی اور غیر درسی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ یہ لوگ موبائل، لیپ ٹاپ، ٹیلی ویژن اور ویڈیو گیمز جیسی چیزیں دیکھ کر اپنا قیمتی وقت ضائع کرتے ہیں۔ ’گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں ہے‘ Time is Precious جب انسان بوڑھا اور کمزور ہوتا ہے تبھی اس کو وقت کی اہمیت اور افادیت معلوم ہوتی ہے۔ ڈاک خانہ پسندیدہ کام ہے، روزہ کشائی بہت ہی اچھا مضمون ہے۔ ’اشارے کی زبان اور اس کے فوائد‘ میں تھوڑی اور محنت درکار ہے، اس مضمون کو اور اچھا بنایا جا سکتا تھا۔ نظموں میں ہولی، بٹیا پیاری، چلو ہم پڑھیں، کوا اور سب سے پیارا ہندوستان بہت دلچسپ ہیں۔ کہانیوں میں مہاراجہ کے کپڑے سب سے عمدہ کہانی ہے۔ دودھ کی چوری، پوں پوں والے انکل، موبائل فون اچھی کہانیاں ہیں۔ ’فیصل اور چیونٹی‘ سبق آموز کہانی ہے۔ ’وقت کی اہمیت‘ بھی اچھی کہانی ہے۔ ’خلا کے مسافر‘ بچوں کے لیے حوصلہ افزا مضمون ہے۔ تاریخی سائنسی اور ثقافتی معلومات، چمن چمن کے پھول اور پینٹنگ بھی پسند آئی۔ مجموعی طور پر یہ رسالہ ’بچوں کی دنیا‘ بچوں کے درمیان اردو زبان کے فروغ میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

عبدالمجید مکرو، جموں وکشمیر

سید محمد ابراھیم فکری

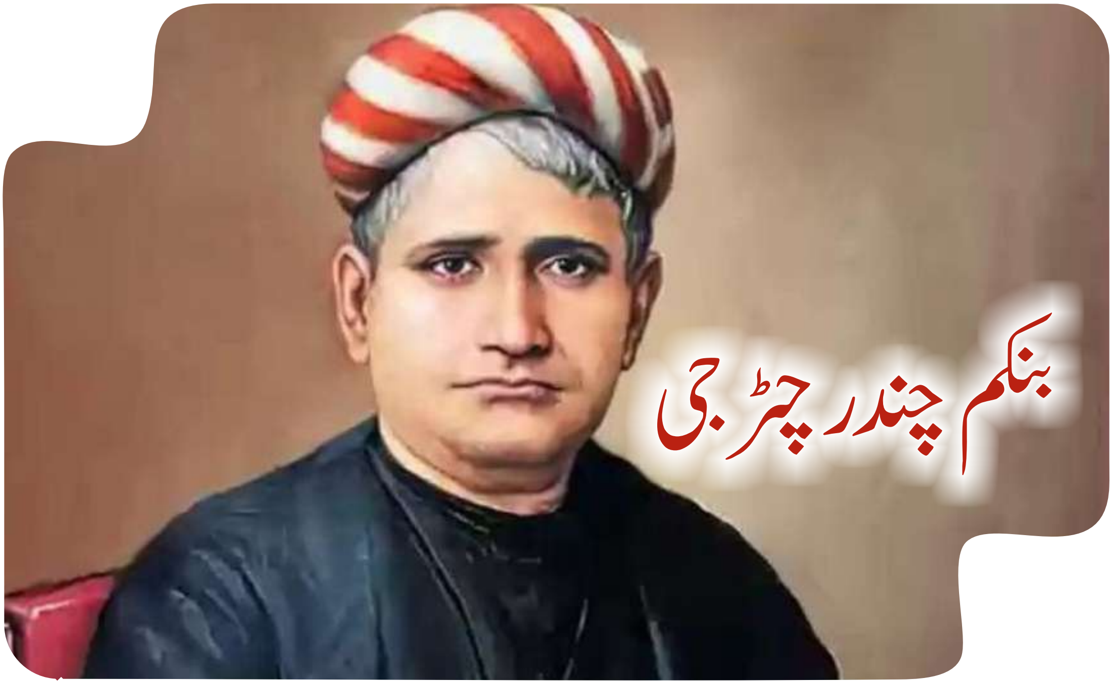

بنکم چندر چٹر جی

بنکم چندر چٹر جی کی ولادت 17 جون 1838 میں بنگال کے چوبیس پرگنہ میں شری یادر چندر چٹر جی کے گھر ہوئی جو کہ کافی عرصے تک ڈپٹی کلکٹر رہ چکے تھے۔ 5 سال کی عمر میں ان کی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا گیا تو اس زمانے میں انھوں نے ایک ہی دن میں ساری ورن مالا یاد کر کے اپنی قابلیت کا سکہ بٹھا دیا۔ بارہ سال کی عمر میں انھیں ہگلی کالج میں داخل کیا گیا۔ وہاں انھوں نے سنسکرت پر عبور حاصل کیا اور کالج کی لائبریری کی تمام کتابوں کا مطالعہ کر کے سب پر اپنی دھاک جما دی۔ 1852 میں انھوں نے کلکتہ یونیورسٹی سے بی اے آنرز کا امتحان امتیازی شان کے ساتھ یعنی فرسٹ ڈویژن سے پاس کیا۔آپ پہلے ہندوستانی گریجویٹ تھے۔

ادیب بننے کی دھن ان کو کالج کے زمانے سے ہی لگی ہوئی تھی۔ 20 سال کی چھوٹی سی عمر میں وہ ڈپٹی کلکٹر کے عہدے پر مقرر کیے گئے ان دنوں وہاں پر نیل کا ٹھیکہ دو انگریزوں نے لے رکھا تھا۔ یہ انگریز ہندوستانی مزدوروں پر من مانے ظلم ڈھاتے تھے۔ چٹر جی نے تحقیقات کروا کر ان دونوں انگریزوں کو مستحق سزا قرار دیا۔

انھوں نے اپنی زندگی میں تقریباً پندرہ ناول اور دس گرنتھ لکھے ہیں۔ لوگوں کو اس بات پر بڑی حیرت ہوتی ہے کہ انھوں نے اپنی ملازمت کے دوران کس طرح سے ایسی اچھی کتابیں لکھ ڈالیں جن کی شہرت کی دھوم ہندوستان اور بیرون ہندوستان تک میں ہے۔ ان کی تصانیف کا ترجمہ ہندی اور دیگر ملکی زبانوں کے علاوہ انگریزی روسی زبانوں میں بھی ہوا ہے۔

بنکم چندر چٹر جی کے ناولوں میں پند و نصیحت اور اپدیش کی بھرمار نہیں ہے بلکہ ایک نمونے اور ایک اچھے اور مثالی سماج وسوسائٹی کا خاکہ پیش کرنے کے ساتھ

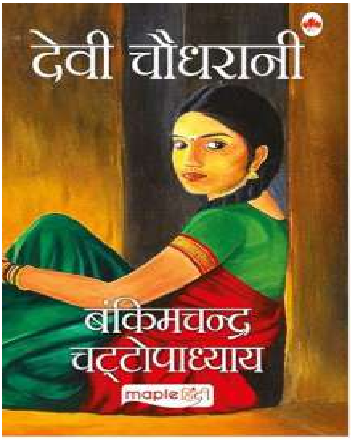

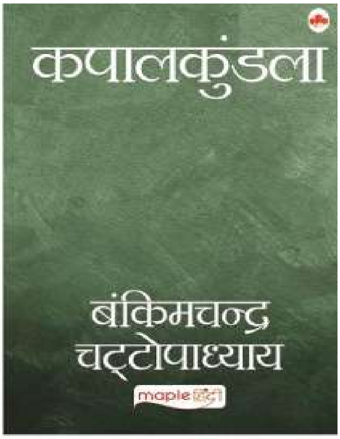

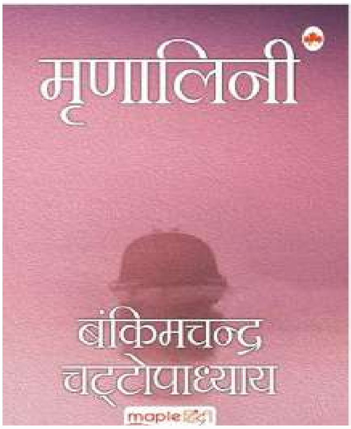

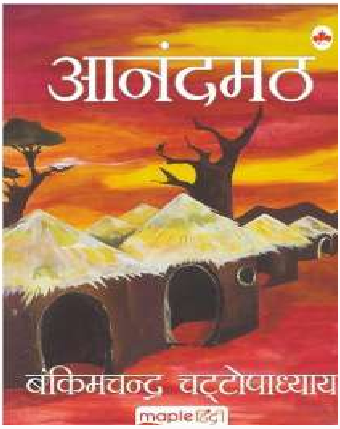

ساتھ وطن اور حب وطن کا پیغام بھی ہے۔

تاریخ جاننے والے اور ان ناولوں کے پڑھنے والے دونوں بنکم چندر چٹر جی کی تحریروں اور تصانیف سے معلومات کا خزانہ حاصل کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ چٹر جی کی لکھی ہوئی کتابوں میں مغلیہ حکومت کی طاقت اور اس کی کمزوریوں پھر اس کے ساتھ انگریزی فاتحوں کی ہوس اور لالچ اور پسے ہوئے بیکس ومظلوم جنتا کی بے اندازہ تکالیف کا بیان بھی بہت واضح اور کھلے انداز میں ان کے یہاں موجود نظر آتا ہے۔

انھوں نے اپنے ناول آنند مٹھ میں نہایت درد سے اور بڑی صحت کے ساتھ ان واقعات کی تفصیل پیش کی ہے جو 1769 میں قحط کی بنیاد ہیں۔ وہ بنگال کے گاؤں اور شہروں کی ہیبت ناک تباہی کا بیان کرتے ہوئے صحیح لفظوں کا استعمال اور انتخاب کرتے ہیں کہ پڑھنے والوں کے سامنے اس تباہی کا پورا نقشہ آنکھوں میں بھر جاتا ہے۔ اس ناول میں وندے ماترم کا گیت آیا ہے جو ہماری جنگ آزادی کا ایک نعرہ رہا ہے۔ انقلاب پسندوں کو خاص طور سے 'وندے ماترم' کے لفظ سے پریم تھا۔

بنکم چندر چٹر جی نے ہمیں وندے ماترم کا نعرہ اور وندے ماترم کا گیت دیا۔ 56 سال کی عمر میں 1894 میں وفات پا گئے۔

حکومت ہند نے ان کی خدمات وشخصیت کے اعتراف واقرار میں یکم جنوری 1969 میں ان کی 75 سالہ سالگرہ کے موقعے پر ڈاک ٹکٹ جاری کیا۔ آج اگرچہ بنکم چندر چٹر جی ہم میں موجود نہیں ہیں لیکن ان کی ملکی وادبی خدمات کو ہمیشہ ہمیشہ سراہا جائے گا۔ ان کی سب سے بڑی یادتو ان کا قومی ترانہ 'وندے ماترم' ہے جو رہتی دنیا تک اس ملک میں ہمیشہ گونجتا رہے گا۔

■

ماخذ: ہمارا قومی گیت، **مصنف:** سید محمد ابراہیم فکری، **دوسری اشاعت:** 2022، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

مضمون

آم کے کرشماتی فائدے

رفیع الدین ناصر

پیارے بچو! آپ یقیناً آم سے واقف ہوں گے۔ آپ اِسے شوق سے کھاتے ہوں گے ، اس کا رس استعمال کرتے ہوں گے۔ آئیے آج ہم آپ کو آم کے کچھ ایسے کرشماتی فوائد بتلاتے ہیں جس سے آپ کی معلومات میں اضافہ ہوگا۔ یہ معلومات آپ کو اپنی زندگی میں بہت کام آئے گی۔

آم کو اس کے ذائقے اور اقسام کی بنیاد پر پھولوں کا راجا کہا جاتا ہے۔ یہ گرم موسم میں پیدا ہونے والا رس دار اور گودے دار پھل ہے جو بیضوی یا گول شکل کا مختلف رنگوں اور خوشبوؤں والا ہوتا ہے۔ اس کی ہزاروں اقسام ہیں۔ آم کے پکنے کے بعد اس کا رس یا گودا کھایا جاتا ہے یا رس نکال کر استعمال کیا جاتا ہے۔ کچے پھل کو کیری کہتے ہیں جس کا استعمال اچار بنانے اور دیگر چیزوں میں کیا جاتا ہے۔

پیارے بچو! آپ کو معلوم ہوگا کہ آم ایک نہیں بلکہ تین ممالک کا قومی پھل ہے۔سب سے پہلے تو آم ہمارے ملک ہندوستان پھر پاکستان اور اس کے بعد فلپائن کا قومی پھل ہے۔اس کے علاوہ یہ بنگلہ دیش کا قومی درخت بھی ہے۔

اب آپ کو آم کے نام کے بارے میں بتاتے ہیں۔ علاقائی طور سے آم کے مقامی زبانوں میں الگ الگ نام ہیں لیکن انگلش میں اس کو Mango کہتے ہیں۔ یہ لفظ تمل زبان کے لفظ ’مینکے‘ یا ملیالم زبان کے لفظ ’مانگا‘ سے لیا گیا ہے۔ جب پرتگالی تاجر جنوبی ہند میں آباد ہوئے تو انھوں نے لفظ ’مانگا‘ کا استعمال کیا۔ بعد میں جب 15 ویں اور 16 ویں صدی میں برطانوی تاجروں نے جنوبی ہند سے تجارت شروع کی تو یہ لفظ بدل کر ’مینگو‘ (Mango) ہوگیا۔ علم نباتات کے ماہرین نے جب اس کا مشاہدہ کیا تو انھوں نے اس کا سائنسی نام Mangifera indica تجویز کیا۔ اس سائنسی نام سے آم کو دنیا بھر میں جانا کیا جاتا ہے۔ آپ کی معلومات میں اضافہ کرتے چلیں کہ دنیا بھر میں ہر سال چار کروڑ 60 لاکھ ٹن آم پیدا ہوتا ہے۔

آم کھاتے وقت کبھی آپ نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں کون کون سی نعمتیں رکھی ہیں؟ یہ جان کر آپ کو خوشی ہوگی کہ ایک پیالی آم میں تقریباً 60 ملی گرام وٹامن

سی ہوتا ہے۔ ایک صحت مند انسان کو روزانہ 40 سے 60 ملی گرام وٹامن سی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ آم میں 20 سے زائد حیاتین (وٹامنز)، معدنیات (Minerals)، ریشے اور دیگر کرشماتی تغذیات پائے جاتے ہیں۔ آم میں کاربوہائیڈریٹس، پروٹین، امینو ایسیڈ وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ آم میں ہمارے جسم کے لیے درکار دیگر اہم تغذیات جیسے کیلشیم، فاسفورس اور وٹامن اے و سی پائے جاتے ہیں۔ ایک تحقیق کے مطابق اگر آپ 100 گرام آم کھاتے ہیں تو آپ کے جسم میں 60 سے 90 کیلوریز تیار ہوتی ہے جو ہماری کارگذاری کے لیے نہایت ضروری ہے۔ آم میں 75 سے 85 فیصد پانی ہوتا ہے۔ جو ہماری تشنگی کو دور کرتا ہے لیکن آم میں کولیسٹرول نہیں ہوتا۔

بچو! ان باتوں سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ آم ہماری صحت کے لیے بہت فائدہ مند ہے۔ اس لیے جب آم کا موسم ہو تو اعتدال کے ساتھ آم استعمال کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ آم کے اور بھی بہت سے کرشماتی فائدے

ہیں جو ہماری صحت سے جڑے ہوتے ہیں۔ سائنسدانوں نے مختلف تحقیقات کے بعد بتایا کہ آم جلد کو نکھارتا ہے، موٹاپے کو کم کرتا ہے، لو لگنے سے محفوظ رکھتا ہے، بینائی کو تیز کرتا ہے، ہڈیوں کو مضبوط کرتا ہے، قبض سے بچاتا ہے، قوت مدافعت بڑھاتا ہے، کینسر سے محفوظ رکھتا ہے، انیمیا دور کرتا ہے۔ آم کے گودے میں بیٹا کیروٹین موجود ہوتا ہے جو دمے کی بیماری روکنے میں مدد کرتا ہے۔

پیارے بچو! آم کے کرشماتی فائدے صرف پھل تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ اس کے پتے بھی دواؤں میں استعمال ہوتے ہیں۔ ان پتوں میں ای آکسائیڈ موجود ہوتا ہے، اس کا جوشاندہ (Decoction) استعمال کرنے سے بلڈ پریشر کم ہوتا ہے۔ ذہنی بے چینی دور ہوتی ہے۔ سانس کے مسائل حل ہوتے ہیں۔ معدے کے امراض اور ہڈیوں کے درد کے علاج میں بھی آم کے پتے فائدہ مند ہیں۔

بچو! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ آم دنیا کے تقریباً تمام خطوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن ہمارے ملک ہندوستان میں آم کی پیداوار سب سے زیادہ ہے۔ ہمارے

بعد چین اور اس کے بعد تھائی لینڈ کا نمبر آتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پہلے پہل آم کی پیداوار ہندوستان کے برما کے ہمالیہ کی گود میں جنگلی آم کے طور پر پانچ ہزار سال قبل ہوئی۔ اس کے بعد اس کی باضابطہ کاشت برما، جنوبی ہند، انڈومان جزائر میں ہوئی اور پھر دنیا بھر میں یہ پھیل گیا۔

ایک اہم بات آپ کو بتاتے چلیں کہ اس وقت دنیا کا سب سے قدیم آم کا درخت 300 سال پرانا ہے جو مہاراشٹر کے خاندیش کے علاقے میں ہے، جس سے اب بھی آم کی پیداوار ہوتی ہے۔ آم کے تعلق سے ایک دلچسپ بات بتاتے چلیں کہ گنیز ورلڈ ریکارڈ 2020 کے مطابق دنیا کا سب سے وزنی آم جو 4.25 کلوگرام پر مشتمل ہے، جس کی لمبائی 3.48 سینٹی میٹر اور گھیرا 49.53 سینٹی میٹر و عرض 17.78 سینٹی میٹر ہے، وہ کولمبیا کے گائیٹا، بویا کا نامی مقام پر جرمن اور لانڈونوا بریرا اور ماریا مورکین کے فارم ہاؤس میں اُگتا ہے۔ آپ کی معلومات میں مزید اضافہ کرتے چلیں کہ اس کے بعد ہمارے ملک ہندوستان کے مغربی بنگال کے مرشدآباد

میں تقریباً چار کلوگرام وزنی آم اُگتے ہیں۔ اس آم کا نام 'نورجہاں' ہے۔ اس ایک آم کی قیمت ایک ہزار سے دو ہزار روپے ہوتی ہے۔ آج کل یہ آم مدھیہ پردیش کے کچھ علاقوں میں بھی کامیابی سے اگایا جارہا ہے۔ اس کے بعد تیسرے نمبر پر چھوٹے آم کا نام 'فاضل' ہے جو مغربی بنگال میں پایا جاتا ہے۔

اس لیے بچو! اللہ کی دی گئی اس نعمت کے کرشماتی فائدے جان کر یقیناً آپ کے منہ میں پانی آرہا ہوگا۔ اس وقت آم کا موسم بھی چل رہا ہے اس لیے آم ضرور کھائیں لیکن احتیاط کے ساتھ۔

■

Prof. Rafiuddin Naser
Head Department of Botany
Maulana Azad College of Arts, Science & Commerce,Dr. Rafiq Zakaria Campus
Rauza Bagh, Aurangabad (M.S.) 431001
Mobile - 09422211634
Email - mrnaser2000@yahoo.com

فہیم اشرف

یوگا سے دوستی، بیماریوں سے نجات

الله تعالیٰ نے انسان کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے، لیکن ان میں سب سے قیمتی نعمت صحت ہے۔ ایک صحت مند جسم میں ہی صحت مند دماغ نشوونما پاتا ہے۔ صحت مند انسان اپنی زندگی کے ہر لمحے کو خوشی، توانائی اور ولولے کے ساتھ گزار سکتا ہے۔ جب دل و دماغ خوش ہوں، جسم طاقتور ہو اور طبیعت ہشاش بشاش ہو تو انسان ہر میدان میں کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے: ''تندرستی ہزار نعمت ہے!'' بچوں کی نشوونما کے دوران اگر ان کی صحت اچھی ہو تو وہ سیکھنے، کھیلنے، اور ہر سرگرمی میں بھرپور حصہ لے سکتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ آج کے دور میں بچے جسمانی سرگرمیوں سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔

بچپن انسان کی زندگی کا سب سے قیمتی اور نازک دور ہوتا ہے۔ یہ وہ وقت ہے جب نہ صرف جسمانی نشوونما ہو رہی ہوتی ہے، بلکہ ذہنی، اخلاقی اور روحانی ترقی کی بنیادیں بھی رکھی جا رہی ہوتی ہیں۔ اگر اس عمر میں ہم اپنی صحت کا خیال رکھیں، اچھی عادتیں اپنائیں اور سادہ و منظّم زندگی گزاریں تو ساری زندگی خوشگواری کے ساتھ گزار سکتے ہیں۔

آج کی دنیا میں جہاں سائنس، ٹیکنالوجی، تعلیم اور تفریح کے بے شمار ذرائع موجود ہیں، وہیں دوسری طرف صحت سے متعلق مسائل بھی تیزی سے ابھر رہے ہیں۔ موبائل فون، ٹی وی، کمپیوٹر اور ویڈیو گیمز کے مضر اثرات صحت پر پڑ رہے ہیں۔ صبح سے شام تک بیٹھے رہنے کی عادت نے ان میں سستی، موٹاپا، ذہنی دباؤ، اور دیگر کئی بیماریوں کو جنم دیا ہے۔ بچے کم عمری میں ہی آنکھوں کی کمزوری، نیند کی کمی اور چڑچڑے پن جیسے مسائل کا شکار ہو رہے ہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ جسمانی سرگرمیوں کی کمی، غیر متوازن طرزِ زندگی اور قدرتی نظم و ضبط سے دوری ہے۔ ایسے حالات میں ہمیں ایک ایسی آسان، فطری اور مکمل مشق کی ضرورت ہے جو نہ صرف ہمارے جسم کو فعال رکھے بلکہ ذہن کو بھی سکون، توانائی اور یکسوئی بخشے۔ خوش قسمتی سے ہمارے پاس ایک صدیوں پرانا خزانہ موجود ہے — ''یوگا''۔

یوگا کا تعارف

یوگا ایک قدیم اور صحت بخش عمل ہے جس کی جڑیں ہندوستانی تہذیب میں پیوست ہیں۔ آج یہ صرف جسمانی ورزش نہیں بلکہ ایک سائنسی طرزِ حیات کے طور پر دنیا بھر میں تسلیم کیا جا رہا ہے۔ مغربی دنیا نے بھی اسے ایک مؤثر

اور سائنسی ورزش کے طور پر اپنایا ہے۔ اگر چہ یوگا کی ابتدا کے بارے میں حتمی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے، لیکن یہ ایک طویل اور مسلسل ارتقا پذیر روایت کا حصہ ہے۔

عام فرد کے لیے یوگا کی مشقوں میں یم، نیَم، آسن، پرانایام، کریا، مدرا، بندھ اور دھیان شامل ہیں۔ یہ مشقیں جسم کو صحت مند، ذہن کو فعال اور جذبات کو متوازن بنانے میں مدد دیتی ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ فرد کی روحانی ترقی کی راہ بھی ہموار کرتی ہیں۔ جہاں تک اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کا تعلق ہے، وہاں یوگا کے نصاب میں روحانیت کے بجائے جسمانی مضبوطی، ذہنی ارتکاز اور جذباتی توازن پر زور دیا گیا ہے۔

یوگا بچوں کے لیے خاص طور پر مفید ہے، کیونکہ یہ نہ صرف ان کے جسم کو توانا بناتا ہے بلکہ دماغ کو بھی چست رکھتا ہے۔ آج کے بچے پڑھائی، ہوم ورک، مقابلہ جاتی امتحانات اور دیگر دباؤ میں رہتے ہیں۔ یوگا کی مدد سے وہ اس دباؤ کو کم کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ یوگا انھیں متوازن غذا، منظّم وقت، نظم وضبط، صاف ستھری عادات اور پرسکون نیند کی طرف مائل کرتا ہے۔

یوگا کیا ہے؟

یوگا لفظ سنسکرت زبان کے 'یُج' سے آیا ہے جس کا مطلب 'جوڑنا' یا "متحد" ہونا ہے۔ یعنی یوگا وہ عمل ہے جو انسان کو خود سے، فطرت سے اور اپنے خالق سے جوڑتا ہے۔ یوگا صرف ایک ورزش نہیں، بلکہ ایک مکمل طرزِ زندگی ہے۔ یہ انسان کے جسم، ذہن اور روح کو آپس میں جوڑتا ہے اور توازن قائم کرتا ہے۔ اس کے ذریعے انسان اپنی ذات کو بہتر طور پر سمجھتا ہے، فطرت کے قریب آتا ہے اور ذہنی سکون پاتا ہے۔

یوگا کی اہمیت

صحت ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ لیکن اس حق کو برقرار رکھنے کے لیے صرف دوائی یا علاج کافی نہیں، بلکہ ایک مثبت طرزِ فکر، متوازن ماحول، اور اچھی عادتیں بھی ضروری ہیں۔ صحت صرف بیماری سے بچنے کا نام نہیں، بلکہ خوشی، توانائی اور اطمینان کا احساس بھی صحت کا حصہ ہے۔ یوگا ہمیں ایسا مضبوط مدافعتی نظام دیتا ہے کہ ہم جسمانی، ذہنی اور جذباتی چیلنجوں کا بہتر طور پر سامنا کر سکیں۔

دورِ حاضر میں کئی روایتی اور جدید علاج کے طریقے رائج ہیں، جیسے آیوروید، یونانی، ہومیوپیتھی، اور ایلوپیتھی۔ ان سب کے درمیان یوگا ایک ایسا قدرتی طریقہ ہے جو بغیر دوا کے جسم اور ذہن کو متحرک اور متوازن رکھتا ہے۔ یہ بچوں میں صحت مند عادات، مثبت سوچ، بہتر جسمانی حالت اور ذہنی ارتکاز کو فروغ دے سکتا ہے۔ یوگا بچوں کو روزمرہ زندگی میں نظم وضبط، سکون، اور توانائی فراہم کرتا ہے، جس سے ان کی مجموعی نشوونما میں مدد ملتی ہے۔ یوگا انسان کو ذہنی اور جذباتی طور پر بھی بہتر بننے میں مدد کرتا ہے۔ یہ ہمارے جسم میں طاقت، برداشت اور توانائی پیدا کرتا ہے تاکہ ہم روزمرہ کے کاموں کو چستی اور خوشی سے انجام دے سکیں۔

21 ویں صدی میں دنیا بہت تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے۔ موبائل، کمپیوٹر، انٹرنیٹ، آن لائن کلاسز، سوشل میڈیا، اے آئی... یہ سب ہماری زندگی کا حصہ بن چکے ہیں۔ آج کے بچے آن لائن گیمس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ جسمانی کھیلوں سے دور ہو چکے ہیں۔ ان کا زیادہ وقت اسکرین پر گزرتا ہے۔ اس سبب صحت کے مسائل بھی بڑھ رہے ہیں۔ تاہم یوگا کے ذریعے انسان کے اندر ایسی

قناعت اور توازن پیدا ہوتا ہے جو اس کے اندرونی (دماغ ودل) اور بیرونی رویوں اور برتاؤ میں ہم آہنگی پیدا کرتا ہے۔ یہی ہم آہنگی خوشحال، صحت منداور متوازن زندگی گزارنے کی بنیاد بنتی ہے۔ اسی لیے اسکول کے ماحول میں یوگا کی مشقیں بچوں کو ایک مثبت، پرامن اور نظم وضبط سے بھرپور زندگی کی طرف لے جاسکتی ہیں۔

یوگا کے فائدے

یوگا ہمیں وقت کی پابندی سکھاتا ہے۔ جب ہم روزانہ ایک خاص وقت پر یوگا کرتے ہیں، تو آہستہ آہستہ ہمارے دل ودماغ بھی منظّم ہونے لگتے ہیں۔ ہم وقت پر سونا، وقت پر اٹھنا، اور وقت پر کھانا کھانا سیکھتے ہیں۔ یہ سادہ سی عادتیں ہماری صحت کو بہتر بنانے میں بہت مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ یوگا کے ذریعے ہمیں اپنی سانسوں پر قابو پانے، دل کی دھڑکن کو معتدل رکھنے اور اپنی توجہ کو مرکوز کرنے میں مدد ملتی ہے۔ یہ وہ صلاحیتیں ہیں جو نہ صرف پڑھائی میں بلکہ زندگی کے ہر میدان میں کام آتی ہیں۔

یوگا ہمیں اندر سے مضبوط بناتا ہے۔ جب ہم روزانہ یوگا کرتے ہیں تو ہم بیماریوں سے لڑنے کے قابل ہوجاتے ہیں۔ ہمارا مدافعتی نظام مضبوط ہوتا ہے اور ہم نزلہ، زکام، کھانسی، بخار جیسے عام امراض سے محفوظ رہتے ہیں۔ یوگا کی مدد سے پیٹ کا نظام درست رہتا ہے، سانس لینے کی طاقت بڑھتی ہے، اور دل کی صحت بہتر ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دماغی سکون بھی حاصل ہوتا ہے جس سے ہم خوش اور مطمئن محسوس کرتے ہیں۔

جب ہم خاموش ہوکر آنکھیں بند کرتے ہیں، سانس کو دھیان سے لیتے اور چھوڑتے ہیں، تو دل ودماغ میں ایک عجیب سی راحت محسوس ہوتی ہے۔ یہ وہ لمحے ہوتے ہیں جب ہم اپنی اندرونی دنیا سے جڑتے ہیں۔ یوگا ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہم اپنے جذبات پر قابو پائیں، پریشانی کے وقت گھبرانے کے بجائے پرسکون رہیں، اور ہر حال میں مثبت سوچیں۔

جب ہم کھلی فضا میں، درختوں کے سائے میں، ہوا کی نرمی میں یوگا کرتے ہیں تو ہم قدرت کے حسن کو محسوس کرتے ہیں۔ ہمیں لگتا ہے جیسے ہوا ہماری سانسوں سے کھیل رہی ہو، جیسے زمین ہمیں اپنی گود میں بٹھا رہی ہو، جیسے سورج ہمیں جگا رہا ہو اور پرندوں کی چہچہاہٹ ہمیں خوش آمدید کہہ رہی ہو۔ یوگا ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہم قدرت سے دوستی کریں، ماحول کی حفاظت کریں، اور ہر جاندار کے ساتھ محبت کا برتاؤ کریں۔ اگر ہر بچہ روزانہ تھوڑا وقت یوگا کو دے، تو وہ نہ صرف ایک اچھا طالب علم بن سکتا ہے بلکہ ایک مہذب، صحت منداور کامیاب انسان بھی بن جائے گا۔

آخر میں بس اتنا کہنا ہے کہ یوگا کوئی بوجھ یا مشکل کام نہیں، بلکہ ایک خوشی بھرا تجربہ ہے۔ اگر ہم روزانہ صرف چند لمحے یوگا کو دیں، تو ہم اپنی زندگی بدل سکتے ہیں۔ یوگا کرنے کے بعد جو طمانیت، توانائی اور مسکراہٹ ملتی ہے، وہ کسی بھی دوائی یا تفریح سے بڑھ کر ہے۔ تو آیئے، یوگا سے دوستی کریں اور بیماریوں کو الوداع کہیں۔ اپنی زندگی کو صحت، سکون اور خوشی سے بھر دیں اور ایک بہتر کل کی طرف بڑھیں۔

■

Dr. Fahim Ashraf
Teacher, Maulana Azad National
Urdu University Model School, Falak Numa
Hyderbad- 500053 (Telangana)
Mob.: 9785265771
f.ashraf777@gmail.com

مضمون

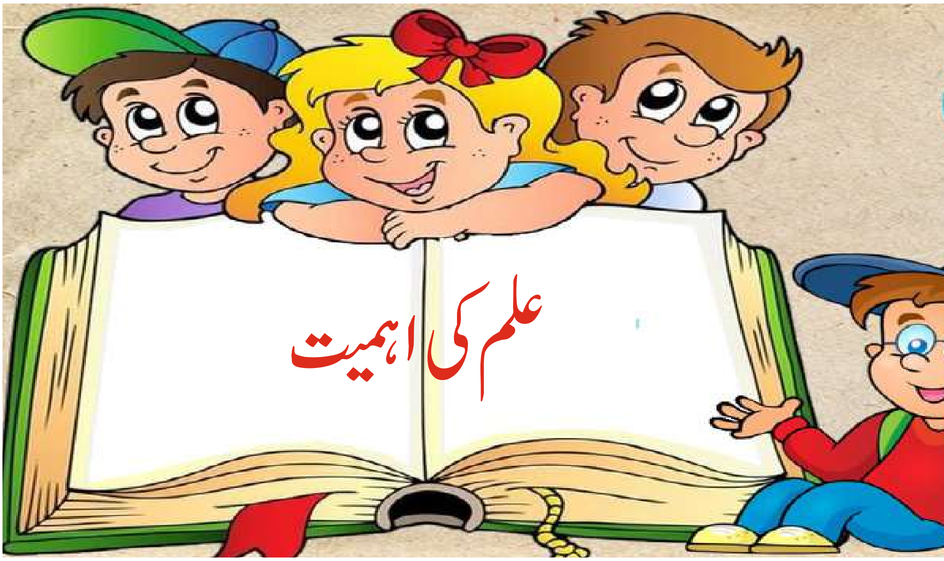

علم کی اہمیت

نور عین سلیمانی

پیارے بچو! جب میں چھوٹا تھا، اپنے بڑے بھائی کو اردو رسائل جیسے بچوں کی دنیا، اردو کی دنیا اور دیگر دلچسپ کتابیں پڑھتے ہوئے دیکھتا تھا۔ وہ ہر ماہ بازار سے رسائل خرید کر لاتے، اور بڑے شوق سے پڑھتے۔ میں بھی کبھی کبھی ان رسائل کو اٹھاتا، ان کے رنگین صفحات اور خوبصورت تصویریں دیکھتا، لیکن اس وقت مجھے پڑھنا نہیں آتا تھا، اس لیے سمجھنے سے قاصر تھا۔ دل میں خواہش ہوتی کہ جب میں پڑھنا سیکھ جاؤں گا، تو میں بھی انہی رسائل کو پڑھوں گا اور ان کی دنیا میں کھو جاؤں گا۔

پھر وہ دن آیا جب میں نے پڑھنا سیکھ لیا۔ میرے دل کی خواہش پوری ہونے کا وقت قریب تھا۔ ایک دن خوشی خوشی بازار گیا کہ اپنے لیے اردو کا کوئی رسالہ خریدوں، لیکن جب میں نے مختلف دکانوں پر تلاش کیا تو کوئی بھی رسالہ نہ ملا۔ آخر کار ایک دکان پر میں نے کتاب والے بھائی سے پوچھا کہ اردو کے رسائل کہاں مل سکتے ہیں؟ انھوں نے مسکرا کر کہا:

''اب کہاں کوئی اردو کے رسائل پڑھتا ہے؟ بچوں کو موبائل سے فرصت ملے تو وہ کتابوں کی طرف دیکھیں۔''

یہ سن کر میرا دل بہت افسردہ ہوا۔ سوچا، وہ کتابیں جو کبھی میرا خواب تھیں، آج کے دور میں کسی کی ضرورت بھی نہیں رہیں۔ اب لوگ مطالعہ کو بھول چکے ہیں۔ زیادہ تر وقت موبائل فون پر فضول کاموں میں ضائع ہوتا ہے، اور کتابیں جو ہماری شخصیت کو سنوارنے کا بہترین ذریعہ ہیں، ان پر کوئی دھیان نہیں دیتا۔

پیارے بچو! آپ کو چاہیے کہ مطالعہ کو اپنی زندگی کا حصہ بنائیں۔ خاص طور پر اردو کی چھوٹی چھوٹی کتابیں اور رسائل جیسے بچوں کی دنیا، اردو کی دنیا، بچوں کا ماہنامہ امنگ یا دیگر دلچسپ میگزین پڑھیں۔ یہ کتابیں چھوٹی ضرور ہوتی ہیں، اور زیادہ قیمت بھی نہیں ہے۔ لیکن ان میں موجود کہانیاں، نصیحتیں، اور مضامین آپ کی سوچ کو وسیع اور شخصیت کو بہتر بناتے ہیں۔ کتابیں ہمیں اچھے

اخلاق، صحیح راستہ، اور زندگی کو سمجھنے کا ہنر سکھاتی ہیں۔

آج کی نسل اور موبائل فون کا مسئلہ:

آج کل کے بچے، جنھیں ابھی صحیح سے کھانے یا سلیقے سے بات کرنے کا شعور بھی نہیں، وہ موبائل فون میں اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ انسٹاگرام پر ویڈیوز اپلوڈ کرنا، فضول گیمز کھیلنا اور ایسی چیزیں دیکھنا جو نہ صرف وقت ضائع کرتی ہیں بلکہ اخلاق پر بھی منفی اثر ڈالتی ہیں۔ یہ نہیں کہ موبائل فون خود برا ہے، بلکہ اس کا صحیح استعمال نہ کرنا نقصان دہ ہے۔ موبائل فون ایک نعمت بھی ہے، جس سے آپ بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ گوگل پر کچھ مفید چیزیں تلاش کریں، اور اگر آپ کو پڑھنا نہیں آتا تو آڈیو کے ذریعے اچھی باتیں سنیں۔

مطالعہ کے فوائد اور مشورے:

1. مطالعہ آپ کی شخصیت کو نکھارتا ہے اور آپ کو ایک اچھا انسان بناتا ہے۔
2. مطالعہ کے لیے روزانہ کچھ وقت نکالیں۔ خواہ ایک کہانی ہی کیوں نہ ہو، لیکن پڑھیں ضرور۔
3. لکھنے کی عادت ڈالیں۔ جو اچھی بات یا سبق آپ کو پسند آئے، اسے لکھ لیں۔ لکھنے سے یادداشت بہتر ہوتی ہے اور وہ باتیں زندگی کا حصہ بن جاتی ہیں۔
4. مطالعہ کے ساتھ ساتھ کبھی کبھار تفریح بھی ضروری ہے۔ صبح یا شام کے وقت باغ میں چہل قدمی کریں، تاکہ دماغ کو سکون ملے اور پڑھائی میں دوبارہ دل لگا سکیں۔
5. اپنی زندگی کو منظّم کریں۔ موبائل، کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کو اپنی تعلیم اور ترقی کے لیے استعمال کریں، نہ کہ وقت برباد کرنے کے لیے۔

پیارے بچو! علم ایک ایسی روشنی ہے جو اندھیروں کو مٹا دیتی ہے۔ کتابیں آپ کی بہترین دوست ہیں۔ ان سے دوستی کریں اور ان کی رہنمائی میں اپنی زندگی سنواریں۔ کتابیں آپ کو وہ باتیں سکھاتی ہیں جو شاید زندگی کے تجربے سے سیکھنے میں سالوں لگ جائیں۔ یاد رکھیں، مطالعہ ایک ایسی عادت ہے جو نہ صرف آپ کی دنیا سنوارے گی بلکہ آپ کی آخرت کو بھی روشن کرے گی۔

■

Noor Ain Sulaimani
Afsana Road, Bahadur Ganj
Distt.: Kishan Ganj- 855101 (Bihar)
Mob.: 6207502860
rummankne@gmail.com

ماحول کو بچائیں

کوثر صدیقی

آلودگی [1] گھٹائیں ماحول کو بچائیں
ہر گھر میں ہر گلی میں اک پیڑ ہم لگائیں

ندیوں میں گندہ پانی جانے سے روک کے ہم
دھرتی کی ہر ندی کو پاکیزہ ہم بنائیں

انساں کی زندگی کا ہر پیڑ ہے محافظ [2]
بستی ہو یا ہو جنگل ہر پیڑ کو بچائیں

زہریلی گیسیں پیدا ہونے سے روک دیں ہم
سارے جہاں کو اس کے نقصان سے بچائیں

آلودگی کا باعث [3] ہے پولی تھین بے حد
کاغذ کی تھیلیوں سے سب کام اب چلائیں

ہے جان لیوا بچو! سگریٹ بیڑی زردہ
اِس زہر سے جہاں کے ہر فرد [4] کو بچائیں

بجلی بھی اک سبب ہے آلودگی کا کوثر
کم خرچ کر کے بجلی آلودگی گھٹائیں

مشکل الفاظ کے معنی

1 گندگی 2 حفاظت (بچاؤ) کرنے والا 3 وجہ، سبب 4 آدمی

■

Kausar Siddiqui
79, Ginnori Main Road
Bhopal - 462001 (MP)
Mob.: 9926404171
kausar.siddiqui79@gmail.com

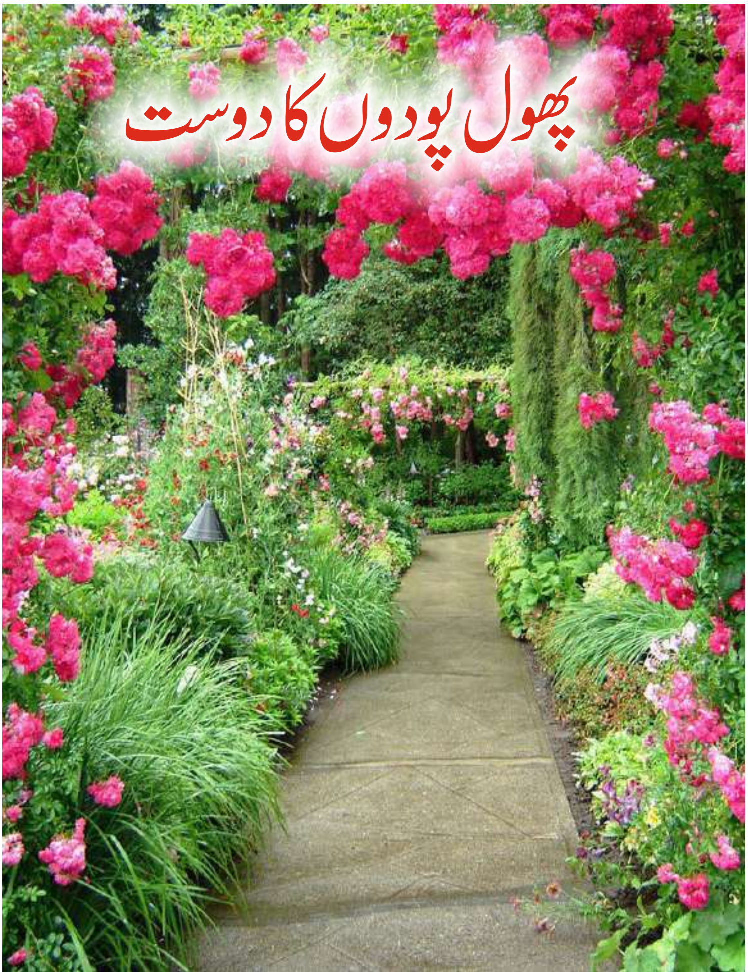

پھول پودوں کا دوست

انسان کو پھول پودے اور درختوں سے ہمیشہ پیار رہا ہے۔ ہر کوئی اپنے آنگن میں پھولوں کے پودے لگانا چاہتا ہے۔لیکن آج کل تو شہروں میں کنکریٹ اور سیمنٹ کی عمارتیں بننے لگی ہیں۔ یہ شوق پورا کرنا مشکل ہوگیا ہے لیکن دنیا میں آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنے مکان کے اردگرد، جہاں بھی جگہ ملتی ہے پھول پودے اُگا لیتے ہیں۔

بمبئی کے مضافات میں بوریولی نامی علاقہ ہے۔ اس علاقہ میں سہاش ورٹوڈکر نامی ایک صاحب رہتے ہیں۔ انھوں نے اپنے مکان کے احاطہ میں تین سو سے زائد مختلف قسموں کے پودے لگائے ہیں۔ اپنے بچوں کی طرح وہ ان کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔

ایک زمانہ تھا جب ہمارے ملک میں مختلف قسم کی جڑی بوٹیوں کو پہچاننے والے کئی ماہر موجود تھے لیکن آج کل ان کی تعداد نہیں کے برابر ہے۔ سہاش ان چند گنے چنوں لوگوں میں سے ایک ہیں جنھوں نے جڑی بوٹیوں کی پہچان کرنے والے ماہر کی حیثیت سے اپنا مقام بنا لیا ہے۔ دراصل پیڑ پودوں سے محبت کرنے کا شوق انھیں اپنے والد سے ورثہ میں ملا۔ ان کے والد اپنے وطن ساونت واڑی سے کئی قسم کے پودے لاکر اپنے آنگن میں لگائے تھے۔ ننھا سہاش ان پودوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے پھلتا پھولتا دیکھتا تھا اور اس طرح ان کی پودوں سے دوستی ہوگئی۔

اس زمانہ میں پھولوں اور پودوں کی نمائش بمبئی کے راج بھون میں لگتی تھی۔ سہاش اس نمائش کو دیکھنے کے لیے خاص طور پر جاتے تھے۔ ذرا انھوں نے ہوش سنبھالا پودوں سے ان کی دوستی اور بھی زیادہ گہری ہوگئی۔ اب وہ بمبئی سے باہر بھی جانے لگے۔ انھوں نے بنگلور، کوچی، بھوپال، اندور، بڑودہ جاکر وہاں کی بھی نرسریاں (جہاں پودے اگائے جاتے ہیں) دیکھیں، ان کا مشاہدہ کیا، ان

کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ بنگلور کے لال باغ میں ہر سال جنوری اور اگست میں نمائش لگتی ہے۔ سبھاش کئی برسوں تک وہاں باقاعدگی کے ساتھ جاتے تھے۔ انھوں نے کشمیر، کلومنالی جاکر وہاں کے پودوں کا مشاہدہ کیا۔ ہماچل پردیش کے جنگلوں میں تو گویا انھیں معلومات کا خزانہ مل گیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے کئی کتابیں پڑھیں اور بہت سے رسالوں کے خریدار بھی بنے۔ بنگلور کی انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ریسرچ سینٹر میں انھوں نے داخلہ لے کر وہاں کا ایک کورس بھی پورا کیا۔

سبھاش بمبئی کے ریزرو بینک میں ملازم ہیں۔ نوکری کے اوقات کے بعد وہ اپنا تمام وقت پھولوں اور پھلوں کی صحبت میں گزارتے ہیں۔ اپنے چھوٹے سے باغیچے میں انھوں نے طرح طرح کے پھول پودے لگائے ہیں۔ چالیس قسم کے تو گلاب وہاں موجود ہیں۔ پھولوں کی چند قسمیں انھوں نے ہوائی جزیروں سے درآمد کی ہیں۔ کئی ایسے پودے موجود ہیں جو مختلف بیماریوں میں علاج کے لیے مفید ثابت ہوئے ہیں۔ مثلاً ایک پھول جس کو وہ 'بھوئی چافا' کے نام سے پہچانتے ہیں۔ وہ کان کی بیماریوں میں مفید ہے۔ 'مدھوناشی' نامی ایک پودا بخار، کھانسی، سردی کی بیماری میں مفید ہے۔ کچھ پودوں کی پتیاں مختلف کھانوں کا ذائقہ بڑھاتی ہیں۔ مثلاً 'آل اسمائیل' نامی ایک پودے کے پتے تو بریانی پکاتے ہوئے استعمال کریں تو بریانی کی لذت اور بڑھ جاتی ہے۔ 'یوش پیپر' نامی ایک پودے کے پودوں میں تو کالی مرچ کا مزہ ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ انھوں نے انار، لیمو اور بڑ کے درختوں کے 'بونزائی' (چھوٹے پودے) بھی لگائے ہیں۔ پانی میں اگنے والے 'ڈائی فن' جیسے پودے بھی یہاں موجود ہیں۔ سبھاش کا کہنا ہے کہ پھولوں اور پودوں کی صحبت میں انھیں بے حد خوشی ملتی ہے۔ ایک سنت نے کہا ہے۔

درخت اور بیلیں میری رشتہ دار ہیں

■

ماخذ: سچی کہانیاں، **مصنف:** قاضی مشتاق احمد
تیسری طباعت: 2010
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

انصار احمد معروفی

پودے کی تعریف

میرے گھر کے باہری حصے میں ہے میرا چمن
اس چمن کے پھول سے گویا مہکتا ہے گگن
پڑھتے پڑھتے سستی جب محسوس ہوتی ہے مجھے
تازہ ہوجاتا ہے اس گلزار سے میرا بدن
اس کے گملوں میں دیا کرتا تھا پانی روز میں
ہوگیا شاداب جس سے اور تر و تازہ چمن
مجھ کو اپنے گھر کے ان پودوں سے الفت ہوگئی
کیونکہ ان پودوں میں، میں پاتا غضب کا بانکپن
اس میں دلچسپی مری دیکھی، تو ابو نے کہا
شاخ، پتی، اور تنا، تم جانتے ہو اے 'حسن'؟
میں نے لاعلمی میں سر اپنا ہلایا تو کہا
جڑ زمیں میں اس کی ہوتی ہے سنو، اے جان من
اک ذرا سرسوں کا تم پودا، اکھاڑو دیکھ لو
پیش تر حصے ہیں مٹی کے ہی باہر اے حسن
پھول، پتی اور تنا، شاخ اور پھل، باہر ہیں سب
بس زمیں کے اندر اس کی جڑ ہے اے جان چمن
جڑ ذرا مضبوط ہوتی ہے، کسی پودے کی ہو
تم اکھاڑو تو لگے طاقت بھی اور آئے تھکن
جڑ کے بل بوتے پہ پودے ہیں فضاؤں میں کھڑے
جڑ اگر بیکار ہو تو اوڑھ لیں وہ سب کفن
کھینچتی ہیں وہ جڑیں مٹی سے 'پانی اور نمک'
جڑ تو اس کی جان ہے اور پھول پتی اس کا تن

■

ماخذ: یہ پیڑ پودے، **مصنف:** انصار احمد معروفی
پہلی اشاعت: 2018
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

ادریس صدیقی

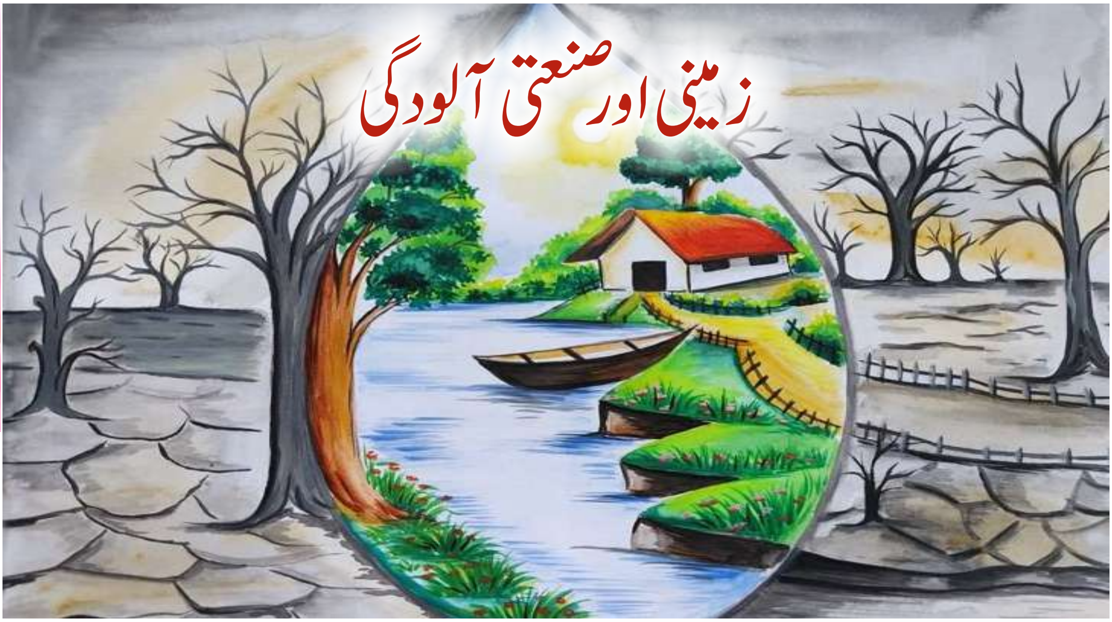

زمینی اور صنعتی آلودگی

ندیم بچپن میں پاپا اور ممی کے ساتھ نینی تال جا رہا تھا۔ تبھی ایک قصبہ سے گزرتے ہوئے پاپا نے کہا ''یہ لال کنواں ہے۔'' ندیم نے کار سے باہر دیکھا تو اسے کنواں دکھائی نہیں دیا۔

''مجھے تو کوئی کنواں لال رنگ کا دکھائی نہیں دے رہا ہے؟'' ندیم نے کہا۔

''اس قصبہ کا نام 'لال کنواں' ہے!'' پاپا نے ہنستے ہوئے بتایا۔ ابھی ندیم بارہ برس کا تھا۔ اسے یہ نام کافی عجیب لگا۔ آج وہی یاد آنے پر اسے ہنسی آتی ہے۔ وہ لوگ برسوں بعد لال کنواں جا رہے ہیں۔ ندیم اپنی فیکٹری لگانا چاہتا ہے۔

''پاپا، اسٹون کرشر فیکٹری لگانے میں بہت فائدہ ہے۔'' ندیم نے پاپا کو بتاتے ہوئے کہا ''میں نے پڑھا ہے کہ لال کنواں میں کافی کاروبار ہو رہا ہے۔''

''وہیں جانا کوئی لال رنگ کا کنواں نہیں ہے!'' پاپا نے ندیم کو چڑھاتے ہوئے کہا ''لیکن تم پتھروں کو توڑ کر گِٹی اور بجری بجانے کی فیکٹری کیوں لگانا چاہتے ہو؟''

''چھوٹی فیکٹریوں میں اسٹون کرشر بہت کامیاب ہیں۔ ندیم نے ابھی پڑھائی پوری کی ہے۔ وہ نوکری کے بجائے اپنی فیکٹری لگانے کی سوچ رہا ہے۔'' اس کے لیے نہ پتھروں کی کمی ہے اور نہ ہی مزدوروں کی۔ پھر گٹی اور بجری کا بازار بھی خوب بڑھ رہا ہے۔''

''ہم لوگ پہلے لال کنواں چل کر دیکھتے ہیں۔ پھر فیصلہ کریں تو اچھا ہوگا۔'' پاپا کہنے لگے ندیم یہی چاہتا ہے کہ پاپا ساتھ چلیں۔ ان دونوں کی باتیں سنتی ہوئی ندیم کی ممی بولیں ''اچھا ہے، اسی بہانے نینی تال کی بھی سیر ہو جائے گی۔ وہاں گئے کتنے برس ہو گئے۔'' وہ لوگ اتوار کو لال کنواں کے لیے کار سے روانہ ہو گئے۔ ندیم نے پہلے ہی پاپا کو بتا دیا کہ ''لال کنواں سے کچھ دور گولوندی سے پتھر آتے ہیں۔ قریب کے گاؤں کے لوگ اسٹون

کرشر پر مزدوری کے لیے آسانی سے مل جاتے ہیں۔ اس لیے یہ کاروبار کامیاب ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ لال کنواں میں کرشر اور پھر گولونڈی پر پتھروں کے ٹھیکیداروں سے بات کریں گے۔'' پاپا نے راستہ میں کھیتوں کو دیکھتے ہوئے کہا ''یہاں کافی ہریالی ہے۔ لگتا ہے کہ کھیتی اچھی ہوتی ہے۔''

''یہ علاقہ کافی زرخیز ہے۔ یہاں دھان کی فصل بہت اچھی ہوتی ہے۔ اسی لیے چاول نکالنے کی چھوٹی چھوٹی مِلیں بھی ہیں۔'' ندیم نے اپنی معلومات پاپا کو دیں۔ اس نے ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اس علاقہ کے بارے میں ضروری باتیں معلوم کر لی جائیں۔

لیکن وہ جیسے جیسے لال کنواں کے قریب پہنچتے گئے تمام ہریالی دھیرے دھیرے کم ہوتی چلی گئی۔ لال کنواں آتے ہی ہر طرف دھند نظر آئی۔

''یہاں فیکٹریوں کی وجہ سے ہوا بھی تازہ نہیں لگ رہی ہے۔'' پاپا کہنے لگے ''اور شور بھی گونج رہا ہے۔''

''کارخانوں میں پتھروں کو توڑنے کا شور سنائی دے رہا ہے۔ بڑی بڑی مشینیں چلیں گی تو شور ہوگا ہی۔'' ندیم نے سمجھانے کے انداز میں بتایا۔

انھوں نے ایک ڈھابہ پر کار کھڑی کر دی۔ پھر لال کنواں کے معائنے پر نکل کھڑے ہوئے۔ ''یہاں پیڑ پودوں پر بھی کتنی گرد جمع ہے۔'' امی کو پیڑ پودوں سے بہت دلچسپی ہے۔

''پتھروں کو توڑنے اور بجری بنانے پر کافی دھول اڑتی ہے۔ وہی پیڑوں اور پتوں پر جمی ہوئی ہے۔'' ندیم سے پہلے پاپا نے وجہ بتائی۔ وہ قصبے کے کئی کرشر دیکھنے کے بعد گولونڈی کے لیے روانہ ہوئے۔

''یہاں سبھی کرشر فیکٹریاں اچھی چل رہی ہیں۔'' ندیم نے اطمینان کی سانس لیتے ہوئے کہا۔ اس کی معلومات غلط نہیں ہیں!

لال کنواں سے باہر نکلتے ہی کھیتوں کو دیکھ کر افسوس ہونے لگا۔ ''ان کھیتوں کی مٹی پر پتھروں کی دھول بہت زیادہ اکٹھا ہو چکی۔ اسی لیے کھیت اجڑے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔'' پاپا کا اندازہ صحیح ہے۔

وہ گھنٹہ بھر میں گولونڈی پر پہنچ گئے۔ یہ سڑک سے زیادہ دور نہیں ہے۔ اس پہاڑی ندی سے نکلے پتھروں

پتھروں کی کان لگتی ہے!''

وہاں کتنے ہی ٹرکوں میں پتھروں کو لادا جا رہا ہے۔ انھیں دکھاتے ہوئے ندیم بولا ''یہاں سے سارے پتھروں کو لال کنواں بھیجتے ہیں۔'' یہاں ٹھیکیدار سے پتہ چلا کہ ابھی کئی فیکٹریاں لگائی جاسکتی ہیں کیونکہ پتھروں کی کوئی کمی نہیں ہے۔

اپنے کاموں سے نپٹنے کے بعد نینی تال کی سیر کی گئی۔ اگلے دن واپسی کے لیے لال کنواں ہوتے ہوئے جا رہے ہیں۔ کھیتوں کی خراب حالت دیکھتے ہوئے پاپا کہنے لگے ''ان فیکٹریوں کی دھول سے کھیتوں کی مٹی اتنی آلودہ ہوچکی ہے کہ فصلیں اچھی نہیں ہورہی ہیں۔''

''شاید اسی لیے کھیتی کے بجائے یہ لوگ کارخانوں میں مزدوری کر رہے ہیں۔'' ندیم کی سمجھ میں آرہا ہے کہ یہاں سستے مزدور کیوں مل جاتے ہیں۔

''بھئی فیکٹریوں کو تو فائدہ ہے۔ گولوندی سے پتھروں اور گاؤں سے کسانوں کے مزدوری کرنے کی کوئی کمی نہیں۔ تبھی یہ کاروبار بہت فائدہ مند ہے۔'' یہ کہتے ہوئے پاپا اپنے بیٹے کی طرف دیکھنے لگے۔ ندیم کسی سوچ میں ڈوبا ہوا ہے۔

''مجھے یہاں آنے سے پہلے یہ حالات معلوم نہیں تھے۔'' ندیم نے کچھ بجھی آواز میں کہا۔

''تمھیں فیکٹری لگانے پر نفع سے مطلب! پھر کیا سوچ رہے ہو؟'' پاپا نے ندیم کا فیصلہ جاننا چاہا۔ وہ اپنا کوئی فیصلہ ندیم پر تھوپنا نہیں چاہتے ہیں۔

ندیم نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا ''بے شک بہت فائدہ ہے اسٹون کرشر لگانے میں۔'' وہ کچھ کہتے رک گیا۔

''تو؟'' پاپا نے فیصلہ پوچھا۔

''لیکن اس میں کاشتکاروں اور ماحول کی بربادی بھی ہے۔'' ندیم نے اپنا فیصلہ بتایا ''میں یہ کاروبار نہیں کروں گا!''

پاپا آج ندیم میں ایک ذمہ دار نوجوان دیکھ رہے ہیں۔ انھیں اپنے بیٹے پر فخر ہورہا ہے!

■

ماخذ: زمینی آلودگی، **مصنف**:ادریس صدیقی، **پہلی اشاعت**: 2016، **ناشر**: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

جواب

1	پنجاب	2	Gravity	3	نکولس کوپرنیکس	4	100 سینٹی میٹر
5	جاپ ہارٹسن	6	دی آریہ بھٹ اسپیس کرافٹ	7	Digboi (Assam)	8	بھاکھڑہ منگل ڈیم
9	Reita Faria Powell	10	الماس	11	ہندوستان	12	گنگا
13	امانت لکھنوی	14	5	15	2	16	امریکہ۔1960
17	انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی	18	13	19	1810	20	وٹامن D

نظم

گرمیاں آ گئیں

ذرّے ذرّے پہ بجلی سی برسا گئیں
جس کو بھی چھو لیا اس کو گرما گئیں
گرمیاں آ گئیں گرمیاں آ گئیں

چلتے چلتے جو پنکھا ذرا رک گیا
جھٹ پسینے کا دریا سا بہنے لگا
گرمیاں آ گئیں گرمیاں آ گئیں

ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کا موسم گیا
کالی کالی گھٹاؤں کا موسم گیا
گرمیاں آ گئیں گرمیاں آ گئیں

گرم پانی ہے کوئی پیے کس طرح
اور نہ پانی پیے تو جیے کس طرح
گرمیاں آ گئیں گرمیاں آ گئیں

دھوپ میں پاؤں مٹی پہ جو پڑ گیا
دھوپ میں کیا رکھا آگ پر رکھ دیا
گرمیاں آ گئیں گرمیاں آ گئیں

لیجیے گھر میں باہر سے برف آ گئی
سارے بچوں میں پیدا ہوئی کھلبلی
گرمیاں آ گئیں گرمیاں آ گئیں

دھوپ میں گھر سے باہر نہ جائے کوئی
جان کر لو کا جھونکا نہ کھائے کوئی
گرمیاں آ گئیں گرمیاں آ گئیں

برف والی کٹوری جو منہ سے لگی
سچ یہ ہے جان میں جان ہی آ گئی
گرمیاں آ گئیں گرمیاں آ گئیں

میز بھی گرم ہے، کھاٹ بھی گرم ہے
فرش بھی گرم ہے، ٹاٹ بھی گرم ہے
گرمیاں آ گئیں گرمیاں آ گئیں

■

ماخذ: بچوں کی نظمیں، **مصنف:** جگن ناتھ آزاد، **پانچویں طباعت:** 2010، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

محمد شفیع الدین نیر

نظم

خوب چھٹی ہوئی خوب چھٹی ہوئی

آؤ ہنس بول کر دل بہلائیں ہم　　آؤ کوئی نیا کھیل دکھلائیں ہم
آؤ باہر کہیں سیر کو جائیں ہم　　ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا باغ کی کھائیں ہم
کھل گئی آج ہم سب کے دل کی کلی
خوب چھٹی ہوئی، خوب چھٹی ہوئی

لطف جب ہے کہ اس وقت جھولے پڑیں　　لطف جب ہے مسرت کی پینگیں بڑھیں
باغ میں ہر طرف سیر کرتے پھریں　　بھاگ اور دوڑ میں سب سے آگے رہیں
کھل گئی آج ہم سب کے دل کی کلی
خوب چھٹی ہوئی، خوب چھٹی ہوئی

آج جی بھر کے پکوان پکوائیں گے　　گلگلے، پھلکیاں، سیو تلوائیں گے
چٹ پٹی چاٹ بھی کھٹ سے بنوائیں گے　　جھٹ سے ہر چیز پھر ڈٹ کے ہم کھائیں گے
کھل گئی آج ہم سب کے دل کی کلی
خوب چھٹی ہوئی، خوب چھٹی ہوئی

دل پہ بادل مسرت کا چھائے تو ہے　　قہقہوں سے فضا گونج جائے تو ہے
نیر اس وقت اس سمت آئے تو ہے　　اپنا گیت اک سہانا سنائے تو ہے
کھل گئی آج ہم سب کے دل کی کلی
خوب چھٹی ہوئی، خوب چھٹی ہوئی

■

ماخذ: منی کے گیت، **مصنف**: محمد شفیع الدین نیر، **پہلی اشاعت**: 2019، **ناشر**: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

عطا عابدی

نظم

یہ سوچتے ہیں پیہم

تنہا جو ہوتے ہیں ہم
یہ سوچتے ہیں پیہم
کتنی بڑی ہے دنیا
کیسے بنی ہے دنیا
صدیوں پرانی ہوکر
کیسے نئی ہے دنیا

تنہا جو ہوتے ہیں ہم
یہ سوچتے ہیں پیہم
چہرے ہیں ایک جیسے
پھر بھی جدا ہیں کیسے
اجزا ہیں جب کہ یکساں
پھر کیوں نہیں ہیں ویسے

تنہا جو ہوتے ہیں ہم
یہ سوچتے ہیں پیہم
آتا ہے زلزلہ کیوں
دل میں ہے غلغلہ کیوں
خالی ہے جب کہ گاگر
ساگر میں ولولہ کیوں

تنہا جو ہوتے ہیں ہم
یہ سوچتے ہیں پیہم
سب آتے ہیں کہاں سے
کیا پاتے ہیں یہاں سے؟
آنے کے بعد پھر کیوں
سب جاتے ہیں یہاں سے

تنہا جو ہوتے ہیں ہم
یہ سوچتے ہیں پیہم
کیوں وہ بڑا میں چھوٹا
کیوں پتلا میں وہ موٹا
انساں ہیں سب تو بولو
کیوں یہ کھرا وہ کھوٹا

تنہا جو ہوتے ہیں ہم
یہ سوچتے ہیں پیہم
دنیا میں جنگ ہے کیوں
دل اتنا تنگ ہے کیوں
آنکھیں ہیں کیوں یہ حیراں
یہ عقل دنگ ہے کیوں

تنہا جو ہوتے ہیں ہم
یہ سوچتے ہیں پیہم
گلشن زمیں پہ کیوں ہے
صحرا کہیں پہ کیوں ہے
کیوں ذہن میں ہے شعلہ
شبنم جبیں پہ کیوں ہے

تنہا جو ہوتے ہیں ہم
یہ سوچتے ہیں پیہم
اک چیز ہے موبائل
کیوں سب ہیں اس کے قائل
ہے کام کا تو پھر کیوں
کرتا ہے وقت زائل

تنہا جو ہوتے ہیں ہم
یہ سوچتے ہیں پیہم
پھولوں میں کیوں پھبن ہے
کانٹوں میں کیوں چبھن ہے
پانی میں کیوں ہے ٹھنڈک
کیوں آگ میں جلن ہے

تنہا جو ہوتے ہیں ہم
یہ سوچتے ہیں پیہم

■

Ata Abidi
C/o Book Emporium, Sabzi Bagh
Patna - 800004 (Bihar)
Mob.: 7903021559
ataabidi100@gmail.com

نظم

مناظر حسن شاہین

لایا ہوں میں لیمن جوس

بولے یہ عبدالقدوس
لایا ہوں میں لیمن جوس
لیکن ایک ہی لایا ہوں
کہنا مت مجھ کو کنجوس
سیب بہت ہی مہنگے ہیں
پیتا ہوں کدو کا جوس
پوچھتا ہوں اب ایک سوال
بچو! مت کرنا مایوس
کس کے نام کے ہجے میں
آجاتا ہے میم معکوس؟
ایک پرندہ مور بھی ہے
جس کو کہتے ہیں طاؤس
شاید تم کو علم نہیں،
میں بھی تھا اچھا جاسوس
اپنی کھٹارا سائیکل سے
اک دن میں جاؤں گا روس
نام کروں گا بھارت کا
میں بھی کرتا ہوں محسوس

■

Manazir Hasan Shaheen
House No.: 60, Millat Colony
Gaya - 823001 (Bihar)
Mob.: 9661214111
hussainmanazir71957@gmail.com

مصباح الدین طارق

دادا ہمارے

بڑے نیک سیرت تھے دادا ہمارے
محبت کی مورت تھے دادا ہمارے
خدا ان کو جنت میں رکھے خوشی سے
نہیں بغض و نفرت تھی ان کو کسی سے
بلا کر محبت سے سب کو بٹھاتے
منگا کر انھیں گھر سے حقہ پلاتے
تھا مہماں نوازی کا ایسا سلیقہ
جو کچھ میں نے سیکھا انھیں سے ہے سیکھا
مصیبت میں ہر ایک کے کام آئے
وہ بھوکوں کو خود بھوکا رہ کر کھلاتے
بہت یاد آتی ہیں اب ان کی باتیں
وہ پریوں کے قصے وہ جاڑے کی راتیں
تھے اَن پڑھ مگر تھے بڑے نیک انساں
ہزاروں میں مخلص تھے وہ ایک انساں
تھی اہل وفا سے سدا ان کو رغبت
سدا علم والوں کی تھی ان کی صحبت

■

Misbahuddin Tariq
At+P.o: Luxmipur, Via-Chakand
Gaya - 804404 (Bihar)
Mob.: 9801996877
misbahuddin9801@gmail.com

جاوید رانا

نظر انداز کرو

ظلمتوں کو اے ستارو ! نظر انداز کرو
بری باتیں مرے بچو ! نظر انداز کرو

نام اللہ سے ہر کام کا آغاز کرو
اور بلندی کی طرف ہر گھڑی پرواز کرو
ہم زباں تاروں کو اور چاند کو ہمراز کرو
بری باتیں مرے بچو ! نظر انداز کرو

گر کرے کوئی برائی نظر انداز کرو
دھول، مٹی، دھواں، کائی نظر اندازکرو
چوریاں، جھگڑے، لڑائی نظر انداز کرو
بری باتیں میرے بچو! نظر انداز کرو

نفرتیں ، بغض و عداوت کو نکالو دل سے
چھل کپٹ ، کینہ و غیبت کو نکالو دل سے
بے حیائی کو کدورت کو نکالو دل سے
بری باتیں میرے بچو ! نظر انداز کرو

گر گرا دے تمھیں کوئی تو اٹھو اور چلو
اڑچنیں بھول کے بس آگے بڑھو اور چلو
اپنی منزل کی طرف چلتے رہو اور چلو
بری باتیں میرے بچو ! نظر انداز کرو

رہ کے چھوٹے بڑے پتھر کو بھی ٹھوکر مارو
دل کو چبھتے ہوئے منظر کو بھی ٹھوکر مارو
جو لگے پاؤں میں، ٹھوکر کو بھی ٹھوکر مارو
بری باتیں میرے بچو! نظر انداز کرو

یاد ماضی کے برے گھاؤ ستائیں گے مگر
دکھ بھی آئیں گے قریب اور رلائیں گے مگر
سائے مایوسی و ناکامی کے چھائیں گے مگر
بری باتیں مرے بچو ! نظر انداز کرو

دھن کے پکے بنو محنت سے نہ گھبراؤ کبھی
مشکلیں اور مصیبت سے نہ گھبراؤ کبھی
زندگانی کی حقیقت سے نہ گھبراؤ کبھی
بری باتیں میرے بچو ! نظر انداز کرو

بد چلن اور برے ڈھب نظر انداز کرو
کم نظر والوں کے کرتب نظر انداز کرو
عیب جتنے بھی ہیں وہ سب نظر انداز کرو
بری باتیں مرے بچو ! نظر انداز کرو

پیار چھوٹوں سے، کرو اپنے بڑوں کی عزت
بے سہاروں پہ یتیموں پہ ہو دستِ شفقت
نیکیاں کرتے رہو اور سنوارو قسمت
بری باتیں مرے بچو ! نظر انداز کرو

■

Javed Rana
Near Chaar, Mazaar Dr Zakir Husain
Ward Mominpura, Burhanpur - 450331 (MP)
Mob.: 9009234875, javedrana184@gmail.com

نظم

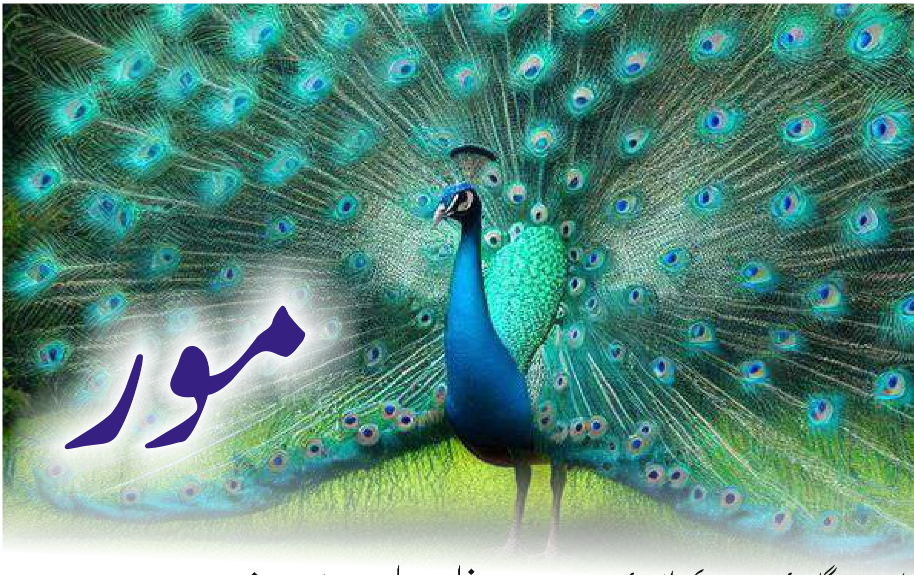

مور

عمران شجر

ناچے گائے پر پھیلائے
ساون کے نغمات سنائے
برکھا رُت جب جھوم کے آئے
مور خوشی میں شور مچائے

جنگل بن میں اس کا بسیرا
روپ ہے اس کا رنگ برنگا
تاج انوکھا اس کے سر پر
من کو بھائے اس کا سراپا

مور جہاں پر ڈیرا ڈالے
سانپ وہاں سے چھپ کے بھاگے
مور ہے اس کا دشمن جانی
اس کو پکڑ کے شوق سے کھائے

یاد ہے اس کو منتر کتنے
گن ہیں اس کے اندر کتنے
نیلے پیلے سبز سنہرے
پنکھ ہیں اس کے سندر کتنے

ان کو ستائے جو بھی بندہ
اس پہ برسے خاکی ڈنڈا
لازم ہم پر اس کی حفاظت
مور ہے اپنا قومی پرندہ

جو بھی گزرے اس کے نگر سے
اس کو دیکھے تیکھی نظر سے
اس پہ فدا ہے دنیا لیکن
پیار ہے اس کو اپنے شجر سے

■

Imran Shajar
Al-Kareem, Achalpur
Distt.: Amravati -444608 (Maharashtra)
Mob.: 9604492728
mdshajar0@gmail.com

محمد اسداللہ

دودھ کا سیلاب

صبح صبح ایک ہنگامہ پورے گھر میں برپا تھا۔ دادی امی بری طرح خفا تھیں۔ تمام لوگ سہمے ہوئے، کسی کی کیا مجال جو ان کے آگے زبان کھولتا۔ سب چھپتے پھر رہے تھے، جو سامنے آتا اس کی خیر نہ تھی، وہ ہر ایک کو آڑے ہاتھوں لے رہی تھیں۔ سب سے پہلے دونوں بہوؤں کی خبر لی، تم دونوں کو اپنے سیریل دیکھنے سے فرصت ملے تب نا۔ کچن میں کیا ہو رہا ہے اس کی کسی کو خبر نہیں۔ پھر دونوں بیٹوں یعنی لطیف میاں اور سراج میاں کی باری آئی: 'تم کیا سمجھتے ہو کہ کما کر لا رہے ہو تو تمھیں گھر کی ذمہ داریوں سے چھٹی مل گئی۔ تمھیں لگتا ہے تمھارے روپیوں سے گھر چلتا ہے۔ یاد رکھو، اگر ہم دھیان نہ دیں تو کسی کو ایک وقت کا کھانا نہیں ملے گا، دن میں تارے نظر نظر آجائیں گے سمجھے!' پھر ملازم شمسو کی شامت آئی کہ گھر کے کاموں کی ذرا پرواہ نہیں دن بھر نہ جانے کہاں غائب رہتا ہے۔ وہ بے چارہ لاکھ کہتا رہا کہ دادی میں گھر کے کاموں سے ہی باہر جاتا ہوں، تب یہ کہہ کر اس کا منھ بند کر دیا گیا کہ 'مگر کام تو کچھ ڈھنگ کا کرتا نہیں، بس زبان لڑاتا رہتا ہے۔'

انسانوں کے بعد جانوروں کا نمبر لگا۔ بلی پر نظر پڑنی تھی کہ دادی اس پر برس پڑیں: 'اور یہ کمبخت، سارے فساد کی جڑ تو یہی ہے۔ بچا کھچا سارا دودھ پی گئی اور آج ہمیں بغیر دودھ کی چائے پینی پڑی۔ بدانتظامی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ گھر والوں کو اتنا ہوش نہیں کہ دودھ کو دھیان سے فریج میں رکھ دیتے۔ اس گھر میں غیر ذمے داری تو ایسے بڑھ رہی ہے کہ اللہ کی پناہ۔

بات بس اتنی سی تھی کہ آج صبح جب چائے کا وقت

ہوا تو پتہ چلا دودھ والا دو دن سے غائب ہے۔ اس قسم کی حرکتیں وہ مہینے میں دو چار بار ضرور کرتا تھا۔ کبھی اس کی بھینس بیمار ہو جاتی، کبھی وہ خود بخار میں مبتلا ہو جاتا۔ یہ سب نہ ہو تو اس کی بائک بگڑ جاتی جس پر سوار ہو کر وہ بڑے زور و شور سے آتا تھا۔ ایک لیٹر دودھ وہ ایسے لاتا جیسے کوئی بڑا لیڈر الیکشن جیت کر دھوم دھام سے ڈھول تاشے بجاتا ہوا آتا ہے۔ اس کی بائک جس کی دُم پر اس نے دودھ کا بڑا سا برتن باندھ رکھا تھا، اس قدر شور مچاتی کہ نہ صرف سارا گھر بلکہ پورا محلّہ جاگ جاتا۔ اتنے شور شرابے کے بعد بھی کسی کو اتنی توفیق نہ ہوتی کہ اٹھ کر دروازے تک چلا جائے اور اس سے دودھ لے لے۔ پھر وہ ڈور بیل بجا بجا کر گھر کے ان لوگوں کو بھی اٹھا دیتا جو اس کی بائک کی آواز سن کر بھی نہ اٹھتے، یا بیدار ہو گئے تو گہری نیند میں ہونے کا پوز بنا کر بستر ہی میں پڑے رہتے۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنھیں عام طور پر نیند میں بھی خراٹے لینے کی عادت نہ تھی مگر دودھ لینے کی زحمت سے بچنے کے لیے جان بوجھ کر زور زور سے ایسی آواز نکالتے گویا نیند میں خراٹے بھر رہے ہوں۔ گھر میں کچھ ایسی مخلوقات بھی تھیں جن کے کان پر بائک کی چنگھاڑ سے بھی جوں تک نہ رینگتی، تب دادی کی زوردار ڈانٹ سے وہ اٹھ بیٹھتے۔ سب کو یہ کہہ کر پھٹکارا جاتا: 'ارے کوئی دروازہ کھول کر دودھ تو لے لو، کہاں مر گئے سب۔' کبھی تو کوئی اٹھ کر کال بیل کی آواز پر لبیک کہتا مگر راستے بھر بڑبڑاتا رہتا: 'ارے بھئی یہ کون ہے جو کال بیل کے بٹن ہی پر بیٹھ گیا ہے۔'

کبھی ایسا بھی ہوا کہ ہر ایک یہی سوچتا رہا کہ کوئی نہ کوئی تو اس کارِ خیر کو انجام دینے گیا ہی ہوگا، ایک میں نہ جاؤں تو کیا بگڑ جائے گا؟ یہ ایسا ہی تھا جیسے سب نے سوچا باقی لوگ تو دودھ ڈال رہے ہیں میں پانی ڈال دوں تو کسی کو کیا پتہ چلے گا۔ اور سب نے یہی کیا۔ یہیں سے بات بگڑ گئی کہ ڈور بیل کی آواز پر کوئی نہ لپکا تو دادی جان کی ڈانٹ کا دوسرا دور شروع ہو گیا اور پھر سارا گھر دوڑ پڑا اور دودھ والے کے استقبال کے لیے سب جمع ہو گئے۔ یہ حادثہ کئی بار پیش آیا۔

صبح صبح دروازے پر اس قسم کے اجتماعات کئی مرتبہ منعقد ہو گئے تو سب سر جوڑ کر بیٹھے، ایک دوسرے پر الزام دھرنے کا کام پورا ہوا، سب کو اپنی ذمے داری کا احساس دلایا گیا، دودھ والے اور ملازم کو خوب کوسا گیا۔ یہ سب ہو گیا تو آخر میں یہ ترکیب نکالی گئی کہ ایک ٹوکری دروازے کے باہر لٹکا دی جائے جس میں دودھ والا دودھ کا پیکیٹ چھوڑ جائے۔

اس کے بعد یہ ہونے لگا کہ گاڑی کی گھنگھناہٹ رکنے کے بعد ایک لمبا سا اعلان، 'دوووواُ اُ اُووودھ' سنائی دیتا اور پھر عبدل اپنی بائک کے شور سمیت غائب ہو جاتا۔ اس حسنِ انتظام کے بعد گھر کے سبھی افراد نے واقعی راحت محسوس کی۔ چند دن نہ گزرے ہوں گے کہ ایک نیا جھگڑا شروع ہو گیا۔ اب دودھ کا پیکٹ ٹوکری میں پڑا رہتا اور کوئی اسے اٹھا کر فریج میں نہ رکھتا اور اکثر وہ بگڑا ہوا دودھ بجائے چائے کے ربڑی بنانے کے کام آتا۔ عدنان میاں اکثر اسکول جاتے جاتے اس دودھ کے پیکٹ کو دیکھتے، مسکراتے اور یہ سوچ کر نظر بچا کر نکل جاتے کہ آج اگر اس پر کسی اور کی نظر نہ پڑی تو سب کو دادی کی ڈانٹ اور ربڑی کھانے کو ملے گی۔

دادی امی ابھی بلی پر برس ہی رہی تھیں کہ دادا جان گھر میں داخل ہوئے۔ وہ کم گو تھے اور ایسے ماحول میں اکثر خاموش رہتے تھے۔ آج تو گھر میں گھن گرج کا ماحول تھا۔ دادا جان کے آتے ہی دادی جان کے غصے میں جان پڑ گئی۔ آپ کو بھی گھر کی ذمے داریوں کی ذرا فکر نہیں۔ آپ بھلے اور آپ کے وہ نکھٹو قسم کے دوست بھلے۔ یہ نہیں کہ مسجد سے آتے آتے دودھ کا ایک آدھ پیکٹ لے آئیں۔'

'بھئی دودھ تو گھر میں روز آتا ہے، میں کیوں لاؤں؟ اور لاؤں گا تو تم خواہ مخواہ ناراض ہوگی، دودھ والا تو دودھ لاتا ہی ہے، آپ کو یہ فضول خرچی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟'

'یہی تو رونا ہے، دو دن سے دودھ والے کا کوئی اتا پتا نہیں اور گھر میں دودھ کی بوند نہیں، جو تھی وہ بلی پی گئی۔'

'اب اس میں میں کیا کر سکتا ہوں۔' دادا اپنا دامن جھاڑ کر الگ ہو گئے۔ گھر کے اور لوگوں نے بھی ادھر ادھر ہو جانے ہی میں عافیت سمجھی۔ گھر میں سناٹا چھا گیا۔

اصل کہانی اس کے بعد شروع ہوئی۔

اس کا اصل نام تو شمس الدین تھا مگر ملازم ہونے کی وجہ سے بے چارہ شمسو ہو کر رہ گیا تھا۔ دادا جان نے ایک دن اسے اس کے نام کے معنی بتائے بھی تو پہلے ڈانٹ پلائی: 'میاں گھر میں ذرا دو گھڑی ٹک کر کام کر لیا کرو، تمھارے نام کا مطلب سورج ہے تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ سورج کی طرح ادھر نکلے ادھر ڈوبے، ادھر ڈوبے ادھر نکلے، بنے پھرتے ہو۔'

گھر میں جب بھی کسی کا مزاج بگڑتا یا کوئی کام بگڑ جاتا تو بجلی اس غریب شمسو پر گرتی۔ پورے گھر میں اسی کے نام کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا۔ وہ تو لوگوں کا بس نہ چلتا ورنہ اسی کو پیٹ کر رکھ دیتے۔ اسے پکارے جانے کے بعد وہ اکثر حسبِ معمول غائب پایا جاتا اور جب گھنٹے دو گھنٹے کے بعد پایا جاتا تو بجائے اس کے کہ لوگوں کا غصہ ٹھنڈا ہو، اسے دوگنی پھٹکار سہنی پڑتی۔

آج بھی شمسو کو پتہ تھا کہ قصور دودھ والے کا سہی مگر اگلی چائے کا وقت ہونے پر سب اسی کو تپائیں گے۔ آنے

والے طوفان کا اندازہ کر کے وہ دودھ مہیا کرنے کی مہم پر نکل پڑا۔ دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں وہ نکڑ کی دکان سے دودھ لے کر آیا اور اسے فریج میں رکھ کر پسینہ سکھانے کے لیے مونڈھے پر بیٹھا ہی تھا کہ اچانک ڈور بیل بج اٹھی۔ شمسو بڑبڑاتا ہوا دوڑا کہ بے وقت نہ جانے کون آ گیا ہے؟

دروازہ کھولا تو دودھ والا اپنے بڑے بڑے دانت نکالے اور دونوں ہاتھوں میں دودھ کے دو پیکٹ لیے کھڑا تھا۔ شمسو کو لگا مارے ڈر کے وہ دبے پاؤں آیا ہے مگر بعد میں پتہ چلا کہ اس گلی میں داخل ہوتے ہی گاڑی کا پٹرول ختم ہونے کی وجہ سے اسے کچھ دور پر چھوڑ کر پیدل چلا آیا تھا۔ سنا ہے جو ہوتا ہے اچھے ہی کے لیے ہوتا ہے ورنہ اس کی بائک کے شور سے سارا گھر جاگ جاتا اور سب مل کر اسے کچا چبا جاتے۔

’تم دودھ کیوں نہیں لائے؟ شمسو کے اس سوال پر وہ سہم گیا اور بولا: ’ارے یار، کیا بتاؤں، میرے گھر میں بہت بڑی گڑ بڑ ہوگئی تھی۔‘

’کیا ہوا؟‘

’میری بھینس چوری ہوگئی تھی، دودھ لاتا تو کیسے؟‘

’تو کیا تمھارا فون بھی دودھ دے رہا تھا، فون کر کے یا میسیج کر کے بتا نہیں سکتے تھے!‘

’بھائی جان! میں اتنا پریشان تھا کہ کچھ سوجھ ہی نہیں رہا تھا‘۔

’ملی کہ نہیں‘۔

’ہاں مل گئی، چور بھی پکڑے گئے۔ اسی لیے تو لایا ہوں، یہ کل کا۔ اور یہ آج کا‘ یہ کہہ کر اس نے دونوں پیکٹ اسے تھما دیے۔ شمسو نے انھیں فریج میں لے جا کر رکھ دیا۔

پورے گھر کی طرح دادا جان بھی اس واقعے سے بے خبر تھے۔ نماز کے لیے نکلے تو واپسی میں عابد ڈیری سے دودھ خریدا۔ صبح کا ہنگامہ اب بھی ان کے ذہن پر بری طرح سوار تھا کہ اسی الجھن میں وہ ایک لیٹر کے بجائے دو لیٹر دودھ کا آن لائن پیمنٹ کر بیٹھے۔ اب کیا ہوسکتا تھا۔ رقم واپس مانگتے ہوئے انھیں شرمندگی محسوس

ہوئی۔ سوچا چلو، فرج میں رکھے رکھے کچھ خراب تو نہ ہوگا، مگر انھیں خبر نہ تھی کہ وہ دودھ وہاں پہنچ کر اس قدر گرمی پیدا کرنے والا ہے کہ چھٹی کا دودھ یاد آ جائے۔

لطیف میاں جب آفس سے نکلے تو انھیں امی کا وہ جملہ یاد آیا جس میں انھیں ان کی گھریلو ذمے داری کا احساس دلایا گیا تھا۔ انھیں محسوس ہوا کہ بات تو سچ ہے۔ انھیں گھر کی ضروریات کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ انھوں نے ایک جگہ اپنی کار رکوائی جہاں ایک دکان کے سر پر لگے ہوئے بورڈ پر لکھا تھا۔ شفا دودھ ڈیری۔ اس تحریر کو دیکھ کر وہ سوچ میں پڑ گئے۔ یہ ڈیری ہے یا دواخانہ اور ڈیری جس کے معنی میں دودھ خود موجود ہے اس کے ساتھ مزید دودھ لگانے کی کیا ضرورت ہے۔ شاید یہاں دودھ اتنا زیادہ بکتا ہوگا جو سائن بورڈ میں بھی داخل ہوگیا۔ بہرحال انھوں نے ڈرائیور سے دودھ کا ایک پیکٹ منگوایا اور آگے بڑھ گئے۔ دوسری طرف چھوٹے بھائی سراج کے ذہن میں بھی امی کی وہی بات گونج اٹھی۔ سوچنے لگے بڑے بھائی تو کاروبار میں بے حد مصروف رہتے ہیں مجھے ہی کچھ کرنا چاہیے۔ انھوں نے بھی ایک لیٹر دودھ خرید لیا۔ لبنیٰ کالج سے لوٹ رہی تھی اس کے بیگ سے ایک کتاب گر پڑی تو اچانک اسے دادی کی وہ بات یاد آ گئی جو انھوں نے اس ہنگامے میں کہی تھی۔ ''تم تو بس رات دن کتابوں ہی میں گھسی رہو، یہ گھر داری تمھارے لیے نہیں ہے۔'' یہ جملہ دل میں تیر کی طرح لگا مگر پھر اس نے سوچا بات تو سچ ہے۔ صرف پڑھنا لکھنا ہی تو سب کچھ نہیں گھر کے کاموں میں بھی مجھے ہاتھ بٹانا چاہیے اور تھوڑی دیر بعد اس کے ہاتھ میں دودھ کا پیکٹ تھا جسے اس نے بیگ میں ڈالا اور گھر کی طرف روانہ ہوگئی۔

اتفاق دیکھیے کہ اس دن دوپہر میں پڑوس کے مرزا انور صاحب کا فون آیا۔ انھوں نے دادا جان کو بتایا کہ وہ شادی کی ایک تقریب میں اپنے وطن کامٹی گئے ہوئے ہیں اور رات تک لوٹیں گے۔ ان کا گھر بند ہے اس لیے ان کے ہاں جو بھیا دودھ لاتا ہے کہیں واپس نہ چلا جائے اس لیے پلیز آپ اس سے وہ دودھ لے لیں، میں رات میں لوٹنے پر آپ سے لے لوں گا۔ چنانچہ دادا جان نے ایک اچھے پڑوسی کا فرض ادا کیا۔ مگر قسمت کی ستم ظریفی دیکھیے کہ رات میں پھر انور صاحب نے انھیں فون کیا یہ کہنے کے لیے کہ کسی وجہ سے وہ اپنے وطن میں رک رہے ہیں اور چار دن اور بھی رکے رہیں گے۔ اس لیے وہ ڈیڑھ لیٹر دودھ اب آپ کی نذر ہے۔

اگلی صبح بڑی بہو نے فریج کھولا تو انھیں محسوس ہوا یہ ان کے گھر کا فریج نہیں، چوک کی زاہد ڈیری کا فریج ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں یہ خبر دادی جان تک بھی پہنچ گئی۔ اس کے بعد جو ہونا تھا سو ہوا۔

مگر ننٹ کھٹ عدنان جسے سارے کھانوں میں ربڑی سب سے زیادہ پسند تھی، سوچ رہا تھا، یہ ربڑی پارٹی تو اب کئی دنوں تک چلے گی۔ کاش ایسا ہو کہ دودھ والے کی بھینس ہر مہینے میں کم از کم ایک دو مرتبہ چوری ہو جایا کرے تو مزہ آ جائے۔

■

Muhammad Asadulla
30 Gulistan Colony,Near Pande Lawns
Nagpur- 440013 (Maharashtra)
Mob.: 9579591149
zarnigar2006@gmail.com

انیس اعظمی

ایک تھی نانی

انسان کوئی بھی ہو، کیسا بھی ہو۔ اس کے ماں، باپ، بھائی، بہنوں کے ساتھ ساتھ بلکہ اور کئی طرح کے رشتے داروں کے ساتھ، اس کی ایک نانی بھی ہوتی ہے۔ نانی، دادی عام طور پر اپنے بچوں پہ پیار لٹانے، ان کا لاڈ کرنے، ان کی بلائیں اتارنے اور اسی طرح کے کئی اور کاموں کے لیے جانی جاتی ہیں۔ کچھ دادیاں اپنے پوتے پر اکثر سختی بھی کر دیا کرتی ہیں، مگر نانی اور نواسے کے رشتے میں عام طور پر مٹھاس ہی مٹھاس ہوتی ہے۔

میرے حصّے میں بھی یہی مٹھاس والا سچ، میری زندگی میں مٹھاس گھولتا رہا اور آج تک گھول رہا ہے۔ مجھے اپنی نانی سے جو بے شمار پیار اور دُلار ملا اسے کہہ پانے کے لیے مجھے ابھی تک کوئی معقول لفظ نہیں مل سکا۔ ان کے پیار میں اتنے رنگ اور اِتنی خوشبوئیں تھیں کہ اس کی بُو ابھی تلک میرے وجود میں بسی ہوئی ہے۔

نانی کے پاس پوری زندگی کبھی تین جوڑے، کبھی کبھی چار جوڑے کپڑے ہوا کرتے تھے۔ بغیر کلف، بغیر پریس کے معمولی کپڑے۔ سفید رنگ کا ڈھیلا ڈھالا لٹھے کا چوڑی دار پاجامہ، ہلکے رنگ کی اور چھوٹی چھوٹی بوٹیوں والی پوری آستین کی چھینٹ کی ڈھیلی ڈھالی گھٹنوں سے نیچے قمیض۔ قمیض کو وہ ہمیشہ جمپر کہا کرتی تھیں، ململ کا بڑا سارا بغیر کلف اور بنا بیل بوٹے یا گوٹے والا سفید دوپٹہ جوان کے سر سے گھٹنے تک لمبا ہوتا تھا ان کی پہچان تھا۔ پاؤں میں محلے کے موچی کے ہاتھ سے بنائی معمولی چمڑے کی کالی چپل۔

کسی طرح کے زیور سے ان کا کوئی رشتہ نہیں تھا، زیور چھوڑ یے، ہاتھ، کان، گلے میں انھوں نے کبھی سوتی ڈورا تک نہ ڈالا۔ میں نے انھیں کبھی کنگھی کرتے نہیں دیکھا۔

وضو بناتے وقت جب وہ دوپٹے کو سر سے سرکاتی تو ان کے سر کے 70 برس میں بیشتر کالے بالوں کو دیکھ کر میں حیران ہوتا۔ ہاں ان کی مانگ ضرور چاند کی طرح سفید ہوچکی تھی۔

ہمارے نانا اللہ بخشے اپنے والد کی طرح اس زمانے کے ایم۔اے۔ایل ایل بی تھے اور شہر کے اکلوتے ڈگری کالج میں ہسٹری پڑھاتے تھے۔ اچھی تنخواہ پاتے تھے۔ نانی کو اللہ نے لڑکے لڑکیاں ملا کر سات اولادیں دیں۔ ساتویں بچے کی آمد کے کچھ مہینے بعد اچانک نانا صرف 41 برس کی عمر میں چل بسے۔ نانی پر غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ مہینوں وہ ایسی رہیں جیسے انھیں سانپ سونگھ گیا ہو۔ سات بچے اور پہاڑ سی ویران زندگی۔ نانی نے ہمت جُٹائی، حوصلہ بنایا، اپنے آپ کو سمجھایا۔ رفتہ رفتہ ساتوں بچوں کو انھوں نے پال پوس کر، پڑھا لکھا کر اپنے اپنے ہاتھ پیروں کا بنا دیا۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ انھوں نے اپنے ہاتھ پیروں کی طرف دھیان ہی نہیں دیا کہ ان پر کس قدر جھریاں پڑ گئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی ہتھیلیاں جھاویں سی کھردری ہوگئیں۔

میں شکل وصورت کے معاملے میں ہمیشہ سے ایک دم معمولی تھا۔ بچپن میں ہر سال ٹائی فائڈ ہوجانے کے سبب، میں جسمانی طور پر عام بچوں کے مقابلے کمزور بھی کچھ زیادہ تھا۔ شاید اس لیے نانی مجھ پر اپنے دوسرے ناتی نواسیوں کی بہ نسبت زیادہ مہربان رہا کرتی تھی۔ مَیں جب دوسری یا تیسری جماعت میں پہنچا تبھی اس بات کا احساس بڑی شدت سے ہونے لگا کہ ماں کے ساتھ ساتھ نانی کا پیار بھی بے لوث ہوتا ہے۔

کہنے کو ہم زمیندار گھرانے سے تھے۔ لیکن یہ سادگی کا وہ دور تھا کہ جب پورے گاؤں میں کسی بچے کے پاس کسی طرح کے کھلونے نہیں ہوتے تھے۔ تب ہم اپنے ہاتھوں سے اپنے کھلونے بنایا کرتے تھے اور ان کے ساتھ پوری موج منایا کرتے تھے۔ ہاں یاد آیا کہ لڑکیوں کی گڑیا دکانوں پر نہیں ملتی تھیں بلکہ گھر میں ہی ان کی بڑی بہنیں یا خالہ وپھوپھیاں ان کے لیے گڑیا بنادیا کرتی تھیں۔

کسی لڑکے کے پاس اگر کبھی گیند ہوا کرتی تو اس پر پورے محلے کے لڑکوں کا حق ہوتا تھا۔ کیا زمانہ تھا، جتنی سادگی تھی اتنی ہی موج مستی ہوا کرتی تھی۔ گاؤں میں ہم بچوں کی، بچوں کے علاوہ اپنے مویشیوں سے بھی خوب دوستی ہوا کرتی تھی وہ ہمیں اور ہم انھیں پہچانتے تھے۔ آتے جاتے موسم، لو کے گرم تھپیڑے، کڑاکے کی برفیلی سردی، سردیوں کا کہرا، تیز موسلادھار بارشیں اور بارش کے تھم جانے پر جان لیوا اُمس اور گھمس بسنت کی بہار اور پھوہار، باغوں سے پرندوں کی پکار...... ان سب سے اپنا یارانہ تھا۔ خدا جھوٹ نہ بُلائے وہ بہت حسین زمانہ تھا۔

جب میں دوسری جماعت میں پڑھتا تھا تبھی گاؤں، قصبہ چھوڑ کر ہم شہر آ گئے اور ہمیشہ کے لیے یہیں قید ہوکر رہ گئے۔ کہاں تو ہماری صبح سے شام تک کی شرارتوں کے لیے گاؤں کی گلیاں اور قصبے کا بڑا سا محلّہ چھوٹا پڑتا تھا اور یہاں شہر میں آ کر ایک کمرے میں زندگی سمٹ کر رہ گئی۔ جب جب کمرے کی گھٹن ستاتی تو نانی کا بڑا سا آنگن اور اس کی شفقت بے تحاشہ یاد آتی۔ یاد آتا اس کا وسیع آنگن اور آنگن سے بھی کہیں بڑا اس کا دل، جس میں دنیا جہان کی محبتوں کا خزانہ بھرا پڑا تھا۔ حیرت کی بات ہے کہ نانی

نے تنگی کے زمانے میں صرف اپنے ہی بچے نہیں پالے تھے۔ انھوں نے پڑوس کئی ضرورت مند بچوں کو بھی اس پریشانی میں آسرا دیا تھا اور ان کی نیّا پار لگائی تھی۔

اِدھر ہم لوگ شہر میں آباد ہوئے، اُدھر نانی نے بھی گاؤں کے گھر میں تالا ڈالا اور قصبے میں آن بسی، تاکہ ان کے بچوں کے تعلیمی سلسلے میں کوئی رُکاوٹ نہ آنے پائے۔

بچپن میں ہم پوری پابندی سے گرمیوں کی چھٹی میں اپنے گاؤں اور قصبے جایا کرتے تھے۔ اپنے گاؤں اور قصبے کی مجھے ہر چیز اچھی لگتی تھی۔ وہاں کی سیدھی سادی مٹھائیاں اور پکوڑے تو ہوتے ہی غضب کے تھے۔ بِسناتھ کی جلیبی سے لے کر کتارو کی مونگ پھلی اور جھٹکو کے پیڑے تب سب کچھ لاجواب تھے۔ ہمارے گاؤں کا تو مزہ ہی کچھ اور تھا، کھیت، کھلیان، باغ، باغیچے، ندی کا کنارہ، تال، تلیّا، پوکھر، پوکھرا، نیل کے خستہ حال گوداموں میں چھُپّم، چھُپائی۔ اس کے علاوہ وقت گزاری کے لیے ویران پڑے اینٹ کے بھٹّوں کی سیر، کنویں کا ٹھنڈا پانی، بارش کی موٹی موٹی بوندوں سے اٹھنے والی مٹی کی جان لیوا سوندھی سوندھی خوشبو۔ راہ چلتے بوڑھوں کا عادتاً کھانسنا۔ میرے لیے یہ سب اس زمانے میں میرا سرمایہ تھا۔

ان سب سے پرے، نانی کی بات ہی کچھ اور تھی۔ جب میں شہر سے اس کے پاس آتا اور دوڑتا ہوا اُس کے سامنے پہنچتا وہ مجھ پر نگاہ پڑتے ہی، بڑی ہوشیاری سے اپنے ڈھائی گز کے ململ کے ملگجے دوپٹّے سے اپنی آنکھوں کو صاف کرنے کے بہانے اپنی آنکھوں کے ڈبڈباتے آنسوؤں کو پونچھ لیا کرتی تھی۔ اب میں ستّر برس کا ہو چکا ہوں اور جب بھی نانی یاد آتی ہے تو میری آنکھیں بھی جانے کیوں ڈبڈبا جاتی ہیں۔

نانی کی ایک بات مجھے اور یاد آرہی ہے کہ جب بھی کچھ اچھا پکاتی تو پہلے اپنے بچوں کو کھلا دیتی اور خود المونیم کی پتیلی کے تلے میں لگے شوربے سے دو پھُلکے مزے سے پوچھ پوچھ کر کھاتی اور آخری نوالے پر 'الٰہی تیرا شکر ہے، تیرا احسان ہے' کہتے ہوئے ہاتھوں سے اپنا منھ پوچھ لیتی۔

چونکہ ہمارے نانا ڈگری کالج میں ہسٹری پڑھاتے تھے اور ہماری نانی نے تو اسکول کی صورت بھی نہیں دیکھی تھی۔ نانا نے انھیں مغلیہ تاریخ اوّل تا آخر بڑے سلیقے سے پڑھا دی تھی۔ بعد میں نانی نے برطانیہ کی تاریخ بھی پڑھ پڑھ کر مکمل کر لی تھی۔ نانی کو پہلی اور دوسری عالمی جنگ کے تمام واقعات بھی آخر عمر تک تفصیل سے ساتھ یاد رہے۔ نانی کو رات دن پڑھنا اچھا لگتا تھا لیکن نہ جانے کیوں وہ قلم کو تھامنے میں اس قدر محتاط رہی کہ انھوں نے اپنے دستخط بھی کبھی نہ کیے جب کہ انگوٹھا لگاتے وقت اُن کو بہت کوفت ہوتی تھی۔

اب ان کی خوبیاں گنانے والے بھی ناپید ہو چکے ہیں، نہ ان کا ذکر ہے، نہ کبھی ان کی قبر پر جانے کی کسی کو فکر ہے، ایسے بے حسوں میں میں بھی برابر کا شریک ہوں۔ ایک زمانہ تھا جب ہم سارے بچے دن میں کئی کئی بار ان کے اردگرد گھومتے تھے۔ نہ جانے یہ نانیاں اپنا سب کچھ قربان کر کے کہاں سو جاتی ہیں۔

■

Anees Azmi
C-62, Nar Vihar-1
Sector -34, Noida- 201307 (UP)
Mob.: 9891535053
zubair.zoya@manuu.edu.in

پرویز مانوس

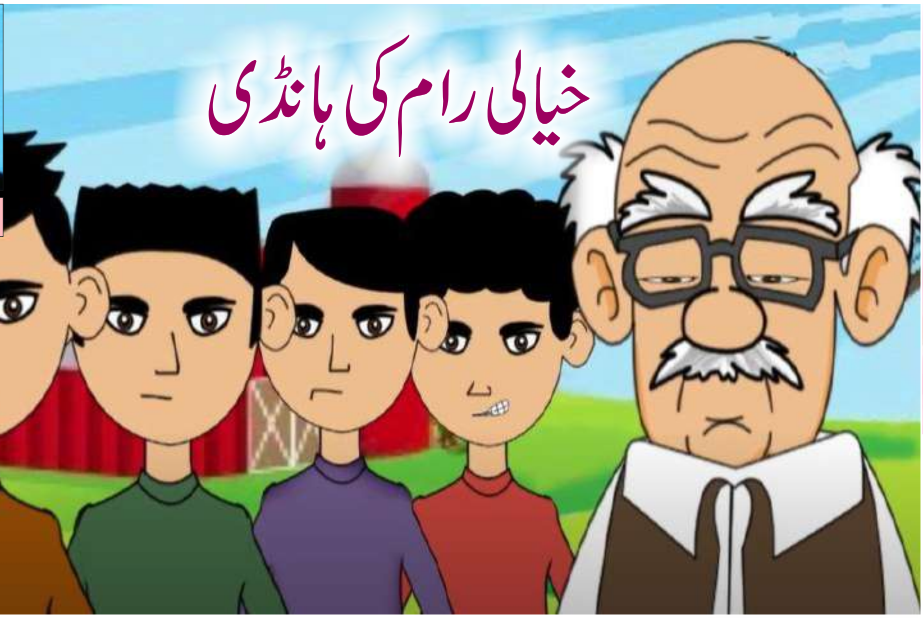

خیالی رام کی ہانڈی

ایک گاؤں میں خیالی رام نام کا ایک محنتی کسان رہتا تھا، اس کی زندگی سادہ مگر مشکلات سے بھری ہوئی تھی۔ وہ اپنے کھیتوں میں دن رات کام کر کے گزارا کرتا تھا۔ اس کے پاس بیلوں کی ایک جوڑی تھی جو اس نے گاؤں کے امیر ساہوکار دولت رام سے قرض پر لے کر خریدی تھی۔ خیالی رام کی چار اولادیں تھیں اور اس کی خواہش تھی کہ ان کی زندگی بہتر ہو۔ اس کا سب سے بڑا بیٹا ساگر پڑھائی میں بہت دلچسپی رکھتا تھا اور اسے آگے پڑھانے کا خواب خیالی رام کے دل میں ہمیشہ موجود رہتا تھا۔

جب خیالی رام کا بیٹا بارہویں جماعت پاس کر گیا تو خیالی نے دل پر بوجھ ڈالتے ہوئے اسے شہر بھیج دیا تا کہ وہ اچھی تعلیم حاصل کر سکے، بیٹا وہاں جا کر پڑھائی کے ساتھ ساتھ کوچنگ بھی کرتا تھا، مگر کوچنگ سینٹر کی فیس بہت زیادہ تھی، خیالی رام کے لیے اس کے اخراجات پورے کرنا مشکل ہو گیا، مگر اس نے ہمیشہ ہمت سے کام لیا۔

اُس کو ایک بار پھر ساہوکار کے آگے ہاتھ پھیلانے پڑے۔ پھر ایک دن، گاؤں میں سوکھا پڑ گیا اور خیالی رام کی فصل پوری طرح سے برباد ہو گئی۔ اس کے بیل بھی مر گئے، اور اس کی مالی حالت بہت خراب ہو گئی۔ ادھر دولت رام نے اپنے قرض کی واپسی کا مطالبہ کر دیا، اور خیالی رام کا بیٹا بھی شہر سے پیسے مانگ رہا تھا تا کہ وہ کوچنگ سینٹر کی فیس بھر کر اپنی پڑھائی جاری رکھ سکے۔

خیالی رام اپنے چھوٹے سے مٹی کے بنے ہوئے کچے مکان میں گُم صم بیٹھا چھت کو گھور رہا تھا چھت کو مضبوط رکھنے کے لیے پرانے بانس اور لکڑی کے ٹکڑے استعمال کیے گئے تھے، اور اس میں کئی جگہ سوراخ ہونے کی وجہ سے بارش کے دنوں میں پانی ٹپکنے لگتا تھا۔ دیواروں پر جگہ جگہ دراڑیں پڑی ہوئی تھیں اور مٹی جھڑنے سے اس کی حالت خراب ہو چکی تھی۔

گھر کے اندر قدم رکھتے ہی غربت کی گہری چھاپ

نظر آتی تھی۔صحن میں ایک پرانا سا چولہا رکھا تھا، جس میں اکثر لکڑیاں اور خشک پتوں کو جلا کر کھانا بنایا جاتا تھا۔ چولہے کے قریب ایک چھوٹا سا مٹی کا برتن رکھا ہوتا تھا جس میں مٹھی بھر آٹا پڑا رہتا تھا، جو مشکل سے ایک یا دو وقت کے کھانے کے لیے کافی ہوتا۔

گھر میں کوئی خاص سامان نہیں تھا۔ایک کونے میں تین عدد بوسیدہ چارپائیاں رکھی ہوئی تھیں، جن کی رسیاں ٹوٹنے کے قریب تھیں۔انھی چارپائیوں پر خیالی رام، اس کی بیوی اور چار بچے سویا کرتے تھے۔

بچوں کے پاس پہننے کے لیے بہت کم کپڑے تھے۔ ان کے کپڑوں پر جگہ جگہ پیوند لگے ہوئے تھے، اور سردیوں میں وہ تھرتھراتے ہوئے اس معمولی سی چادر کے سہارے رات گزارتے تھے جو کسی بھی طرح سردی سے بچانے کے قابل نہیں تھی۔

پیسے نہ ہونے کی وجہ سے بچوں کے لیے نہ تو اچھے کھانے کا انتظام کر پاتا اور نہ ہی ان کی دیگر ضرورتیں پوری کر سکتا تھا۔اس کی آنکھوں میں ایک خاموش مایوسی چھپی ہوتی، جیسے اس نے اپنی قسمت سے سمجھوتہ کر لیا ہو۔

یہ تھا خیالی رام کا گھر، جس میں غربت کی گہرائی اور مشکلات کے باوجود امید کی ایک مدھم سی کرن تھی۔

ایک دن، خیالی رام اپنے کھیت میں کام کر رہا تھا اور زمین کو کھود رہا تھا کہ اچانک اس کا کدال کسی سخت چیز سے ٹکرا گیا۔اس نے کدال کو کھینچ کر نکالنے کی کوشش کی مگر وہ پھنس چکا تھا۔ بڑی مشکل سے جب کدال کو باہر نکالا تو خیالی رام کو زمین کے نیچے کانسے کی ایک پرانی ہانڈی نظر آئی۔اس نے سوچا کہ شاید یہ کچھ کام آ جائے۔

وہ ہانڈی اٹھا کر گھر لے آیا اور اپنی بیوی کو دیتے ہوئے بولا، ''یہ دیکھو، زمین میں سے ایک پُرانی ہانڈی نکلی ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ لے آیا کہ شاید تمھارے کسی کام آ جائے۔''

بیوی نے ہانڈی کو دیکھا اور کہا، ''یہ تو بہت پرانی مگر مضبوط لگتی ہے۔آج سے ہم اس میں مرغی کے انڈے سنبھال کر رکھیں گے تا کہ ٹوٹنے سے بچ جائیں۔'' اگلے دن اس نے اس ہانڈی میں ایک انڈا رکھا، اور جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ اُس ہانڈی میں دو انڈے موجود تھے۔

خیالی رام اور اس کی بیوی حیران ہوئے پھر انھوں نے تجربے کے طور پر کچھ سکے بھی اس میں رکھے، اور صبح وہ بھی دوگنے ہو چکے تھے! یہ دیکھ کر دونوں خوشی سے جھوم اٹھے۔

کچھ دن تو وہ ایسے ہی کرتے رہے جب کافی سارے انڈے جمع ہو گئے تو اس نے بازار میں بیچ کر گھر کے لیے ضروری سامان خریدا۔

خیالی رام نے اس ہانڈی کی مدد سے اپنے قرضے کی رقم جمع کر لی اور دولت رام کا قرضہ چکا دیا۔اس نے اپنے بیٹے کی کوچنگ کی فیس بھی دے دی اور اس کی زندگی خوشحال ہو گئی۔خیالی رام اب ایک امیر آدمی بن چکا تھا، مگر اس کی نیت صاف تھی۔اس نے یہ دولت اپنے گاؤں کے لوگوں کی مدد کے لیے استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔

دوسری طرف، دولت رام کو شک ہوا کہ خیالی رام اتنی دولت کہاں سے لے آیا۔

خیالی رام کی اچانک خوشحالی سے دولت رام کو شک ہونے لگا۔اس نے اپنے چیلے کو بلا کر کہا کہ اس راز کا پتہ لگائے کہ دولت رام کے پاس اتنی دولت کہاں سے آتی ہے؟ ابھی تو اس کے پاس قرض ادا کرنے کے بھی پیسے

نہیں تھے، اور اب وہ ہر طرف پیسے ہی پیسے لٹاتا پھر رہا ہے۔ کچھ نہ کچھ تو ضرور ہے اس کے پاس!

چیلے نے سرگوشی میں کہا" مالک، میں نے بھی گاؤں کے لوگوں سے سنا ہے کہ اس کی مالی حالت بہت بدل گئی ہے۔ مگر وہ کیسے؟ یہ بات تو کوئی نہیں جانتا۔"

مجھے تو لگتا ہے کہ اس کے پاس کوئی جادوئی چیز ہے یا کوئی خزانہ ہاتھ لگا ہے، ہمیں اس کے راز کا پتہ لگانا ہوگا۔

آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مالک۔ مگر ہم کیسے معلوم کریں کہ وہ کس چیز سے دولت بنا رہا ہے؟

دولت رام نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہا" ہم خیالی رام پر نظر رکھیں گے۔ اس کے گھر کے آس پاس گشت کرو اور معلوم کرو کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ اگر کوئی خاص چیز دیکھو، تو مجھے فوراً اطلاع دو۔ کچھ روز بعد چیلے نے واپس آ کر کہا" مالک آپ کا شک صحیح نکلا، میں نے سب پتہ کر لیا ہے۔ خیالی رام کے پاس ایک پرانی کانسے کی جادوئی ہانڈی ہے۔ وہ اس میں جو بھی چیزیں رکھتا ہے تو دوگنی ہو جاتی ہے۔

دولت رام نے انگلی دانتوں تلے دباتے ہوئے حیران ہو کر کہا" اچھا تو ہانڈی؟ جادوئی ہانڈی؟! ہاں، یہ تو واقعی خزانہ ہے! ہمیں یہ ہانڈی کسی بھی طرح حاصل کرنی ہوگی۔ تم رات کو چپکے سے خیالی رام کے گھر جا کر یہ ہانڈی چرا لو۔

مالک، میں آج رات ہی یہ کام کر دوں گا۔ ہانڈی آپ کے پاس پہنچ جائے گی۔

چند دن بعد، چیلا ہانڈی لے کر آیا اور مالک کو دیتے ہوئے کہا" مالک میرا بھی خیال رکھنا۔"

دولت رام خوشی سے سرشار ہو کر بولا" آہا! یہ رہی وہ جادوئی ہانڈی! اب میں اس میں چیزیں ڈال کر اپنی دولت دوگنی کر سکتا ہوں۔

تو فکر نہ کر تجھے بھی مالا مال کر دوں گا۔

دولت رام نے رات کو کافی سارے سکے ہانڈی میں ڈالے اور صبح انتظار کرنے لگا۔ تمام رات اس نے کروٹیں بدل بدل کر کاٹی کہ کب اس کی رقم دوگنی ہو جائے۔

اذانِ فجر فضاؤں میں گونجی تو وہ اپنے بستر سے اٹھ کر سیدھا ہانڈی کو دیکھنے گیا، اس نے آہستہ آہستہ ہانڈی کا ڈھکن اٹھا کر اندر جھانکا تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، وہاں اتنے ہی سکے تھے جتنے رات کو اس نے رکھے تھے۔

دولت رام نے غصے سے یہ کیا مذاق ہے؟

اس ہانڈی نے میرے لیے تو کوئی جادو نہیں کیا! خیالی رام کے لیے تو یہ دولت پیدا کر رہی تھی اور میرے لیے کچھ بھی نہیں؟

چیلا نے حیرت سے کہا مالک، یہ بات تو واقعی عجیب ہے۔ میں نے خود دیکھا تھا کہ اس ہانڈی نے خیالی رام کے لیے چیزیں دوگنی کی تھیں۔

دولت رام نے مایوس ہو کر کہا" شاید یہ ہانڈی صرف خیالی رام کے لیے ہی کام کرتی ہے یا پھر کوئی منتر پڑھتا ہوگا۔ یا اس کی محنت اور ایمانداری کے عوض یہ کام کرتی ہے۔

مالک، آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ شاید دولت محنت اور سچائی کے ساتھ ہی دیرپا خوشی دے سکتی ہے۔

دولت رام نے آہ بھرتے ہوئے کہا" چل، واپس

کر آ اس ہانڈی کو۔ اس سے ہم نے ایک بات تو سیکھ لی کہ ایمان داری اور محنت ہی اصل دولت ہے۔ انسان کو ہمیشہ جو ملے اسی میں شکر کرنا چاہیے۔ دوسرے کی چیز کو للچائی ہوئی نظروں سے نہیں دیکھنا چاہیے۔ خیالی رام کو اوپر والے نے دیا ہے ہم چھین نہیں سکتے۔

پھر رات کے اندھیرے میں جا کر دولت رام کے چیلے نے وہ ہانڈی چپکے سے خیالی رام کے مکان میں رکھ دیا۔

دوسری صبح دولت رام خیالی کے پاس آ کر کہنے لگا ''خیالی تو واقعی نیک انسان ہے میری دولت تو صرف میرے لیے ہے لیکن تو اپنی دولت عوام کی بھلائی کے لیے خرچ کرتا ہے، آج سے ہم دونوں مل جل کر گاؤں کی بھلائی کے لیے کام کریں گے، خیالی رام نے دولت رام کی تمام تلخیاں بھلا کر اسے اس نیک کام میں شامل کر لیا۔

اس طرح خیالی رام اور دولت رام نے اس ہانڈی کے ذریعے حاصل ہونے والی دولت کو گاؤں کی فلاح و بہبود کے لیے خرچ کیا۔ خیالی رام کی سخاوت دیکھ کر گاؤں کے لوگ اس کی تعریف کرنے لگے۔

یوں خیالی رام نے اپنی محنت، ایمان داری، اور محبت سے نہ صرف اپنی زندگی کو بہتر بنایا بلکہ گاؤں کے لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ بھی بنائی۔ اس کہانی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اگر نیت صاف ہو اور دل میں لوگوں کی بھلائی کا جذبہ ہو تو خدا بھی مدد کرتا ہے اور زندگی میں کسی نہ کسی صورت مدد مل ہی جاتی ہے۔

■

Parvez Manous
House No: 115, Azad Basti West
Nattipura, Srinagar- 190015 (J&K)
Mob.: 9419463487
parvezmaanous2020@gmail.com

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں بچوں کی دنیا' کا رکن سالانہ خریدار بننا چاہتا/ چاہتی ہوں۔

145 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر...بتاریخ...

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرتعاون سالانہ -/145 روپے 90092010045326 :A/C، IFSC: CNRB0019009

میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

Email.: magazines@ncpul.in , 011-26108159: فیکس 011-26109746: فون

دستخط

عبدالقدوس

بگلے کی چالاکی

جنگل کے کنارے ایک بڑی اور گہری جھیل تھی، جس میں مختلف قسم کے جانور رہتے تھے۔ اس جھیل میں رنگ برنگی مچھلیاں تیرتی تھیں، مینڈک ٹرٹر کرتے تھے، اور کیکڑے پانی کے نیچے اپنی بلوں میں رہتے تھے۔ پرندے اس جھیل کے کنارے آکر پانی پیتے، ہر صبح سورج کی روشنی میں جھیل کا پانی چمکتا تھا، جیسے کسی نے چاندی کی چادر بچھا دی ہو۔

اسی جھیل کے کنارے ایک بوڑھا بگلا بھی رہتا تھا۔ اس کے پر سفید اور چونچ تیز تھی، لیکن عمر کے ساتھ ساتھ وہ کمزور ہو چکا تھا۔ پہلے وہ پانی میں جھپٹا مار کر مچھلیاں پکڑ لیتا تھا، لیکن اب اس میں وہ پھرتی نہیں رہی تھی۔ بھوک کی شدت بڑھتی جا رہی تھی، اور اسے کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا کہ اپنا پیٹ کیسے بھرے۔

بگلے کی چالاکی

ایک دن بگلا جھیل کے کنارے افسردہ کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں آدھی بند تھیں، جیسے کسی گہری سوچ میں ہو۔ مچھلیاں، مینڈک، اور کیکڑے سب حیران تھے کہ بگلا کیوں شکار نہیں کر رہا۔ بڑی مچھلی نے قریب آکر پوچھا،

''بگلا چاچا! کیا ہوا؟ آج تم نے کچھ کھایا نہیں؟''

بگلے نے ایک لمبی سانس لی اور بولا، ''ارے بیٹا! کھانے کی کیا بات کرو، اب تو جنگل میں رہنا بھی مشکل ہو جائے گا۔ میں تم سب کے بارے میں سوچ کر افسردہ ہوں۔''

یہ سن کر تمام جانور حیران ہو گئے۔ ایک چھوٹے مینڈک نے پوچھا، ''کیوں چاچا؟ کیا کوئی خطرہ ہے؟''

بگلے نے سر جھکایا اور بولا، ''میرے بچو! مجھے ایک بہت بری خبر ملی ہے۔ شکاریوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ جلد ہی اس جھیل کو خالی کریں گے۔ وہ یہاں جال ڈالیں گے اور ساری مچھلیاں، مینڈک، اور کیکڑے پکڑ لیں گے۔ میں بوڑھا ہوں، میں تو شاید بچ جاؤں، لیکن تم سب کا کیا ہوگا؟''

یہ سن کر جھیل میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ سب جانور ادھر ادھر دیکھنے لگے، جیسے کوئی انھیں ابھی پکڑنے والا ہو۔ بڑی مچھلی نے گھبرا کر کہا، ''کیا کوئی راستہ نہیں ہے؟ ہم اپنی جان کیسے بچائیں؟''

بگلے نے تھوڑی دیر خاموشی اختیار کی، پھر بولا، ''ایک راستہ ہے، لیکن یہ بہت مشکل ہے۔''

مینڈکوں نے بے صبری سے پوچھا، ''کیا؟ جلدی بتاؤ!''

بگلے نے چالاکی سے کہا، ''جنگل کے دوسرے کنارے پر ایک اور جھیل ہے جو بالکل محفوظ ہے۔ اگر تم سب وہاں چلے جاؤ تو تمھاری جان بچ سکتی ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ وہ بہت دور ہے، اور تم میں سے کوئی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ ہاں، اگر تم چاہو تو میں روز تھوڑے تھوڑے جانوروں کو اپنی چونچ میں لے جا کر وہاں چھوڑ سکتا ہوں۔''

سب جانور خوش ہو گئے اور بگلے کا شکریہ ادا کیا۔ وہ

اس کے منصوبے پر فوراً راضی ہو گئے۔ بگلے نے مسکرا کر کہا، ''لیکن ایک مسئلہ اور ہے۔ یہ سفر بہت تھکا دینے والا ہے، اور میں بوڑھا ہوں۔ اگر میں روز بھوکا رہوں گا تو میں تمھیں نہیں لے جا سکوں گا۔ اس لیے مجھے ہر روز کچھ کھانے کے لیے مچھلیاں دینی ہوں گی تا کہ میں طاقتور رہوں۔''

جانوروں نے سوچے بغیر یہ شرط مان لی۔ وہ سمجھے کہ بگلا واقعی ان کی مدد کر رہا ہے۔ روز بگلا ایک یا دو مچھلیاں چونچ میں دبا کر اڑتا، اور کچھ دیر بعد خالی واپس آ جاتا۔ سب سمجھتے کہ وہ انہیں محفوظ جھیل میں چھوڑ آیا ہے، لیکن حقیقت میں بگلا انہیں ایک چٹان پر لے جا کر کھا جاتا تھا۔

کیکڑے کا شک

کئی دن گزر گئے۔ مچھلیوں کی تعداد کم ہونے لگی، مگر بگلے کی بھوک ختم نہ ہوئی۔ ایک دن ایک چالاک کیکڑے نے سوچا، ''یہ بگلا تو روز جانوروں کو لے جاتا ہے، لیکن نہ تو کسی نے واپس آ کر ہمیں کچھ بتایا، نہ ہی ہم نے اس جھیل کے بارے میں کچھ سنا۔ کچھ تو گڑبڑ ہے۔''

کیکڑے نے بڑی مچھلی سے کہا، ''مجھے بھی آج بگلے کے ساتھ جانے دو۔ میں خود دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ ہمیں کہاں لے جا رہا ہے۔''

بڑی مچھلی نے بگلے سے کہا، ''چاچا! آج کیکڑے کی باری ہے۔ اسے بھی محفوظ جگہ لے جاؤ۔''

بگلے نے سوچا، ''یہ تو مزے کی بات ہے! آج کا کھانا اور مزیدار ہوگا!'' اس نے کیکڑے کو چونچ میں دبوچا اور اڑ گیا۔

جیسے جیسے بگلا اوپر گیا، کیکڑا چاروں طرف دیکھنے لگا۔ کچھ دیر بعد اس نے نیچے ایک چٹان دیکھی جس پر مچھلیوں کی ہڈیاں بکھری ہوئی تھیں۔ وہ فوراً سمجھ گیا کہ بگلا سب کو دھوکہ دے رہا ہے اور انہیں کھا رہا ہے۔

بگلے کا انجام

جیسے ہی بگلا چٹان کے قریب پہنچا، کیکڑے نے اپنی تیز ٹانگوں سے بگلے کی گردن کو جکڑ لیا۔ بگلا چیخا، ''ارے! یہ کیا کر رہے ہو؟ چھوڑو مجھے!'' لیکن کیکڑے نے اپنی گرفت مضبوط کر لی اور زور سے بولا، ''اب میں جان چکا ہوں کہ تم جھوٹ بول رہے تھے! تم سب کو دھوکہ دے کر کھا گئے، لیکن آج تمھیں اس کا انجام بھگتنا ہوگا!''

بگلا زور زور سے پھڑپھڑایا، لیکن کیکڑے کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ کچھ ہی دیر میں بگلا کمزور پڑ گیا اور نیچے گر کر بے جان ہو گیا۔ کیکڑا فوراً واپس جھیل میں آیا اور سب کو حقیقت بتا دی۔ یہ سن کر سب جانور حیران رہ گئے اور خوش بھی ہوئے کہ وہ ایک دھوکے باز کے چنگل سے بچ گئے۔

سبق

اس دن کے بعد، جھیل کے تمام جانوروں نے سیکھا کہ سچی دوستی اور مدد نیکی پر مبنی ہوتی ہے، نہ کہ خود غرضی اور دھوکے پر۔ اگر کسی کی نیت خراب ہو تو سچائی اور عقل سے اسے شکست دی جا سکتی ہے۔ کیکڑے کی ہوشیاری کی وجہ سے جانور بچ گئے، اور جنگل میں ہمیشہ کے لیے یہ کہانی مشہور ہو گئی کہ ''چالاکی تب ہی کامیاب ہوتی ہے جب نیت صاف ہو!''

■

Dr. Abdul Quddus
MVS Govt. Arts and Science College
Mahbubnagar- 509001 (Telangana)
Mob.: 7416708158
quddusnoorani@gmail.com

زاہدہ خاتون

مچھلی کے بچے

سلمان اور اکرم کو مچھلی کے شکار کا بہت شوق تھا۔ چھٹی کے دن کا سب سے دلچسپ مشغلہ ان کے لیے یہی تھا۔ ایک دن پہلے ہی دونوں دوست شکار کی تمام تیاریاں مکمل کر لیتے تھے۔ بنسی ٹھیک کرتے، تانت اور کانٹا درست کرتے، کیچوے اور کائی جمع کرتے جو مچھلیوں کا خاص کھانا ہوتا ہے۔ اگر کیچوے اور کائی نہ ملتے تو آٹے کی چھوٹی چھوٹی گولیاں بنا لیتے تھے، کیونکہ مچھلیاں یہ بھی کھاتی ہیں۔ سائیکل کے پہیوں کی ہوا اور دوسری چیزیں بھی ضرور چیک کرتے۔ غرض کسی ایسی چیز کی کمی نہ رہنے دیتے جس کی وجہ سے انھیں صبح نکلنے میں دیر ہو۔ صبح سویرے دونوں دوست اپنی اپنی سائیکل پر سوار ہوکر شکار پر روانہ ہوجاتے۔ امی تھوڑا سا ناشتہ بھی ساتھ کر دیتی تھیں۔ کبھی دو چار دوست اور بھی ساتھ چلتے تو سمجھو پکنک سی ہوجاتی تھی۔ شام کو مچھلیاں لے کر گھر آتے تو ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہ ہوتا۔ اگر کبھی مایوس لوٹنا پڑتا تو پرواہ نہیں، اگلی چھٹی میں پھر جائیں گے۔

برسات کے دن تھے۔ کئی دن موسلا دھار بارش ہوئی تھی، مگر اب بارش کا امکان نہیں تھا، آسمان پر جگہ جگہ سفید اور سرمئی بادل نظر آرہے تھے اور موسم بڑا سہانا ہوگیا تھا۔ بس دونوں دوستوں نے مچھلی کے شکار کا پروگرام بنا لیا۔ شام تک تمام تیاریاں مکمل ہوگئیں اور اگلی صبح دونوں لڑکے گھر سے نکل پڑے، مگر یہ کیا! جہاں نہر کے کنارے وہ شکار کھیلا کرتے تھے وہاں پر ایک بڑا سا بورڈ لگا ہوا تھا جس پر لکھا تھا ’’یہاں شکار کھیلنا منع ہے۔‘‘ برسات کی وجہ سے نہر میں پانی بہت بڑھ گیا تھا، اسی لیے جگہ جگہ ایسے بورڈ لگے ہوئے تھے۔ اکرم اور سلمان دیر تک کسی مناسب جگہ کی تلاش میں اِدھر اُدھر گھومتے رہے، مگر جب یہاں کوئی جگہ نہیں ملی تو وہ ایک پرانے تالاب کی طرف چلے گئے۔ اس تالاب میں برسات کے دنوں میں پانی جمع ہوجاتا تھا۔

’’آؤ سلمان یہاں بیٹھتے ہیں، کچھ تو ملے گا۔‘‘ یہ کہہ کر اکرم نے اپنی سائیکل ایک طرف کھڑی کی اور اس پر سے تھیلا اُتار کر سامان نکالنے لگا۔ سلمان نے بھی اپنا تھیلا اُتارا۔ دونوں نے بنسی کے کانٹے میں کائی لگائی اور اسے پانی میں ڈال کر بیٹھ گئے۔

''دیکھو یہاں مچھلی لگتی بھی ہے یا نہیں۔'' اکرم نے کہا۔ وہ ڈیڑھ دو گھنٹے بیٹھے رہے مگر کچھ نہیں ملا۔ شاید وہاں مچھلیاں تھیں ہی نہیں۔

''یار بھوک لگ رہی ہے، آؤ کچھ کھاتے ہیں۔'' سلمان نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس نے اپنی بنسی کو پتھر میں اس طرح پھنسا دیا کہ ڈور پانی میں پڑی رہے۔ اکرم نے بھی اپنی بنسی اسی طرح چھوڑی اور دونوں ہاتھ دھو کر کھانا کھانے بیٹھ گئے۔

تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اچانک سلمان چلایا۔ ''ارے دیکھو دیکھو کتنی بہت سی مچھلیاں'' وہ جوش میں کھڑا ہو گیا۔ اکرم بھی اس کے ساتھ کھڑا ہوا۔ بہت سی چھوٹی چھوٹی مچھلیاں پانی پر تیرتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ دونوں ساتھی تالاب کے کنارے پر آ گئے۔

''یہ تو بہت ہی چھوٹی ہیں۔ ان سے کیا بنے گا؟'' اکرم نے مایوسی سے کہا۔

''یہ تو مچھلی کے بچے ہیں، چلو یہی سہی بہت سے پکڑ لیتے ہیں۔ تل کھائیں گے۔ سچ مزا آ جائے گا۔'' سلمان نے اس طرح چٹخارہ لیتے ہوئے کہا جیسے تلی ہوئی مزیدار مچھلیاں اس کے منہ میں ہی پہنچ گئی ہوں۔

''مگر پکڑیں گے کیسے؟'' اکرم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ''یہ کانٹے میں تو پھنسیں گی نہیں۔'' سلمان بھی سوچنے لگا۔ پھر اسے کچھ یاد آیا۔

''اے لو کام بن گیا۔'' اس نے جلدی سے اپنے تھیلے میں سے ایک جالی دار کپڑا نکالا۔ ''اس سے پکڑیں گے جال کی طرح۔'' اس نے چمکتی ہوئی آنکھوں سے اکرم کی طرف دیکھا۔ ''کیا خیال ہے؟''

سلمان اور اکرم نے کپڑے کے دو دو کونے پکڑ لیے، اسے پانی میں ڈالا اور مچھلی کے بچے پکڑنے کی کوشش کرنے لگے۔ اگرچہ یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ مچھلی کے بچے کپڑے میں آ کر کبھی ایک طرف سے نکل جاتے، کبھی دوسری طرف سے۔

''بڑے شریر ہیں یار یہ مچھلی کے بچے۔'' سلمان نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ٹھہرو! ایسے نہیں ہوگا۔ یہ کام ایک ہی آدمی کے کرنے کا ہے۔'' اکرم نے کہا اور کپڑا اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اب اس نے دونوں ہاتھوں سے کپڑے کے چاروں کونے پکڑ کر پانی میں ڈالا اور جیسے ہی بہت سے بچے کپڑے میں آئے اس نے چاروں کونے ملا دیے۔

اکرم نے ہاتھ کو اونچا کر کے گاتے ہوئے کہا ''جہاں چاہت ہو وہاں راستہ تو نکل ہی آتا ہے۔'' سلمان نے تعریفی نظروں سے دوست کی طرف دیکھا۔ کپڑے میں ننھی ننھی کالے رنگ کی بہت سی مچھلیاں جمع ہو گئی تھیں۔ لڑکوں نے ان مچھلیوں کو ایک بڑے سے برتن میں ڈال دیا۔

''یہ تو واقعی بہت چھوٹی ہیں۔ خیر چلو اور جمع کرتے ہیں۔'' سلمان نے کپڑا جھٹکتے ہوئے کہا۔

''مگر تم ہمیں پکڑ کیوں رہے ہو؟ کیا کرو گے ہمارا؟'' بہت سی مچھلیوں نے تڑپ کر کہا۔ دونوں لڑکوں نے چونک کر دیکھا۔

''ارے یہ تم بول رہے ہو ننھے مچھلی کے بچو؟'' اکرم نے ڈبے میں اچھلتی ہوئی مچھلیوں کو دیکھ کر کہا۔

''ہم تمھیں تل کر کھائیں گے۔'' سلمان بولا۔

''مگر ہم مچھلیاں تو نہیں ہیں، تم ہمیں مچھلی کے بچے

کیوں کہہ رہے ہو؟'' بہت سے بچے ایک ساتھ بولے۔

''مچھلیاں نہیں ہو تو پھر کیا ہو؟ جل پریاں ہو؟'' سلمان ہنسا۔

''ہم تو مینڈک ہیں، مینڈک کے بچے۔'' مچھلیاں بولیں تو سلمان اور اکرم دونوں ہی زور سے ہنس پڑے۔

''کیا کہا؟ تم مینڈک ہو؟ پیاری مچھلیو! کیا تم سمجھتی ہو ہم مینڈک اور مچھلی میں فرق نہیں کر سکتے؟'' اکرم نے کہا۔

''میرے ساتھ سچ کہہ رہے ہیں۔ ہم سب مینڈک کے بچے ہیں۔''

ایک کالے بچے نے اپنا سر اوراوپر اٹھا کر کہا۔

''تم ہمیں تالاب میں واپس ڈال دو ورنہ ہم سب مر جائیں گے۔''

''ہماری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا ہے۔ تم ہو تو بالکل مچھلی جیسے۔ چوڑا سا منھ، لمبی سی دم، کشتی جیسا جسم، تمھارے پیر بھی نہیں ہیں۔'' سلمان نے کہا۔

''پہلے تم ہمیں تالاب میں چھوڑ دو، پھر میں تمھیں سب کچھ بتا سکتا ہوں۔ تمھارے اس برتن میں تو ہمارا دم گھٹ جائے گا۔'' کالے بچے نے تڑپتے ہوئے کہا۔

''برتن میں دم کیوں گھٹ جائے گا؟ ہم نے اسے بند تو کیا نہیں ہے جتنی چاہو ہوا کھاؤ۔'' اکرم نے کہا۔

''مگر ہم تو صرف پانی میں ہی سانس لے سکتے ہیں۔ یہ ہوا ہمارے کسی کام کی نہیں ہے۔ ہمارے پھیپھڑے تو ہیں نہیں۔'' بچہ الجھ کر بولا۔

''مچھلی کے ننھے بچے! اب تم ہمیں پہیلیاں نہ بجھاؤ۔ پھیپھڑے نہیں ہیں تو تم سانس کیسے لیتے ہو؟'' سلمان نے بے یقینی سے کہا۔

''سب بتاتا ہوں، سب بتاتا ہوں۔ پہلے تم ہمیں پانی میں تو چھوڑو۔ ورنہ ہم میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہیں بچے گا۔''

کالے بچے نے مری ہوئی آواز میں کہا۔ سلمان اور اکرم نے دیکھا کہ مچھلی کے بچے اب بہت آہستہ آہستہ ہل رہے تھے۔ ان میں سے کچھ تو بالکل ہی بے جان نظر آتے تھے۔ لڑکوں کو ان ننھے بچوں پر ترس آ گیا۔ مگر ان کے بارے میں اور جاننے کی زبردست خواہش بھی دل میں پیدا ہو گئی۔

''لو ہم تمھیں پانی میں ڈال دیتے ہیں، مگر دیکھو ہم سے دھوکا مت کرنا۔ کہیں بھاگ نہ جانا۔ ہم تمھارے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہتے ہیں۔'' سلمان نے کہا اور مچھلی کے بچوں سے بھرا برتن تالاب میں الٹ دیا۔

''میں تمھیں سب کچھ سمجھاؤں گا دوستو! تمھارا بہت بہت شکریہ۔'' بچے نے جلدی جلدی اپنی میں بلبلے چھوڑتے ہوئے کہا۔ دوسرے سارے بچے بھی پانی میں بلبلے چھوڑ رہے تھے۔ پھر سب نے اپنے آپ کو پانی میں اُگے کسی نہ کسی پودے سے چپکا لیا۔

پتہ نہیں ہم سے باتیں کرنے والا بچہ کہاں گیا۔'' اکرم نے ذرا پریشان ہو کر کہا۔

''میں ادھر ہوں۔'' ننھے کالے بچے نے کائی کے ایک پودے کو کھاتے ہوئے کہا۔ سلمان اور اکرم جلدی سے اُدھر ہی پہنچ گئے۔

''ہاں بھئی! تمھاری باتیں کچھ سمجھ میں نہیں آئیں۔ ذرا ٹھیک سے سمجھاؤ تم مینڈک کے بچے کیسے ہو اور مچھلی کے کیوں نہیں ہو؟ جب کہ تم بالکل مچھلی جیسے نظر آتے ہو۔'' اکرم نے زمین پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ اب مینڈک کا

بچہ ذرا چہک کر بولا ’’مچھلی کے بچے تو ہم یوں نہیں ہیں کہ ہم مینڈک کے انڈوں سے نکلے ہیں۔ ہماری ماں نے اس تالاب میں ڈھیروں انڈے دیے تھے۔ بارہ دن بعد ہم سب ان ہی انڈوں سے نکلے ہیں۔‘‘

’’تمھاری ماں کہاں ہے؟‘‘ سلمان نے سوال کیا؟

’’یہ تو مجھے نہیں معلوم۔ میں نے تو اسے کبھی دیکھا بھی نہیں۔‘‘ بچے نے ذرا اُداس ہوکر کہا۔

’’تمھاری ماں تمھارے ساتھ نہیں رہتی؟ بڑی عجیب بات ہے۔‘‘ سلمان نے حیران ہوکر کہا۔

’’نہیں اتنے سارے انڈے وہ کیسے سنبھالتی؟‘‘ بچے نے کہا۔

’’آخر کتنے انڈے دیتی ہے مینڈک کی ماں؟‘‘ اکرم نے پوچھا۔

’’ہر مینڈک کی ایک دفعہ میں دو ہزار سے لے کر چار ہزار تک انڈے دیتی ہے۔ اتنے ہی کچھ میری ماں نے بھی دیے ہوں گے۔‘‘ بچے نے بتایا۔

’’پھر انڈے دے کر چھوڑ گئی؟ چاہے تم جیو یا مرو!‘‘ سلمان کو غصہ آرہا تھا۔

’’نہیں اس نے ایسے نہیں چھوڑا۔ اس نے انڈوں کے چاروں طرف ایک جیلی جیسا مادہ لپیٹ دیا تھا، تاکہ انڈے خراب نہ ہوں۔ پھر جب ہم انڈوں میں سے نکلے تو یہی جیلی ہمارے کھانے کے کام آئی۔ شروع کے دو دن ہمارا منھ نہیں بنا تھا۔‘‘ بچے نے سمجھایا۔

’’منھ نہیں بنا تھا تو تم نے جیلی کیسے کھائی؟‘‘ اکرم نے پوچھا۔

’’جب تک ہمارا منھ نہیں بنا تھا تو ہم اپنے جسم کے ذریعے ہی غذا کو جذب کرتے تھے۔‘‘ بچے نے بتایا۔

’’مگر اب تو تمھارے جسم پر کوئی جیلی نہیں ہے۔ اب تم کیا کھاتے ہو؟‘‘

’’اب ہم میں اتنی طاقت آگئی ہے کہ ہم اپنے جسم اور دم کی مدد سے تیر کر ایک جگہ سے دوسری جگہ جاسکتے ہیں۔ ہم اپنے آپ کو کائی یا پانی کے کسی دوسرے پودے سے چپکا لیتے ہیں اور اسی کو کھاتے ہیں۔‘‘ یہ کہہ کر بچے نے جلدی جلدی کائی کھانا شروع کردی۔ اکرم اور سلمان ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔ پھر اکرم کالے بچے کی طرف مڑا۔

’’اور تم کہہ رہے تھے کہ تمھارے پھیپھڑے نہیں ہیں اور تم صرف پانی میں ہی سانس لے سکتے ہو۔ یہ بات بھی ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔‘‘

’’میں صحیح کہہ رہا تھا۔ دراصل ہمارے جسم میں پھیپھڑوں کی جگہ گلپھڑوں کے تین جوڑے ہوتے ہیں۔ ہم ان سے ہی سانس لیتے ہیں۔‘‘

’’تم گلپھڑوں سے کیسے سانس لیتے ہو؟‘‘ سلمان نے پوچھا۔

’’بتاتا ہوں، یہ میرے منھ کے اوپر دو سوراخ نظر آرہے ہیں نا! پہلے یہاں پر گلپھڑے تھے۔ باہر ہونے کی وجہ سے تم انھیں دیکھ سکتے تھے، مگر اب ان پر کھال کا ایک ڈھکنا سا آگیا ہے تو یہ اندر کی طرف ہوگئے ہیں اور باہر صرف سوراخ ہی نظر آتے ہیں۔ تم انھیں اندرونی گلپھڑے (Internal gills) کہہ سکتے ہو۔ پہلے یہی بیرونی گلپھڑے (External gills) تھے۔ سانس لینے کے لیے جب ہم اپنے منھ میں پانی بھرتے ہیں تو پانی میں گھلی

ہوئی آکسیجن ان سوراخوں کے ذریعے جسم میں چلی جاتی ہے اور جسم کی کاربن ڈائی آکسائڈ گیس گلپھڑے کے ڈھکنے کھلنے پر پانی کے ساتھ باہر آجاتی ہے۔ بس یہی طریقہ ہے ہمارے سانس لینے کا۔'' مینڈک کے کالے بچے نے تفصیل سے سمجھایا۔

''سلمان! مچھلی کے بھی تو گلپھڑے ہوتے ہیں۔ وہ بھی اسی طرح سانس لیتی ہوگی۔'' اکرم نے سلمان کی طرف دیکھ کر کہا۔

''ہاں بھئی، ان کی تو ہر بات ہی مچھلی جیسی ہے۔ تب ہی تو ہم ان کی مچھلی کے بچے سمجھ بیٹھے تھے۔'' سلمان نے جواب دیا۔

''اوہو! اتنی شام ہوگئی۔'' سلمان نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔'' ان مچھلی... نہیں... مینڈک کے بچے صاحب کی باتوں میں وقت کا پتہ ہی نہیں چلا۔''

''مگر مزا خوب آیا۔ ان کے بارے میں اتنا کچھ جان کر۔'' اکرم نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''دوستو! تم مجھے مینڈک کا بچہ نہ کہہ کر ٹڈپول کہہ سکتے ہو، مینڈک کے بچوں کا نام ٹڈپول ہی ہوتا ہے۔''

''اچھا بھائی ٹڈپول صاحب! اب ہم چلتے ہیں۔ مگر ابھی آپ کے بارے میں بہت سی باتیں جاننی ہیں۔ دل چاہتا ہے سب کچھ جان لیں۔'' اکرم نے کہا۔

''تو کل پھر چلے آنا۔ میں تمھیں اور باتیں بتاؤں گا۔'' ٹڈپول نے خوش ہو کر کہا۔

''سچ'' اکرم اور سلمان بھی خوش ہوگئے۔ ہم ضرور آئیں گے۔ تم کہاں ملو گے؟'' دونوں نے ایک ساتھ پوچھا۔

''میں اسی پودے پر رہوں گا اور تم لوگوں کا انتظار کروں گا۔'' ٹڈپول نے کہا۔

دونوں دوست کل آنے کا وعدہ کر کے اپنی سائیکلوں پر سوار ہو کر گھر چلے آئے۔

سلمان اور اکرم کو آج مچھلی کے بچے نہ ملنے کا کوئی افسوس نہیں تھا۔ بلکہ وہ مچھلی کے شکار کو بھول ہی گئے تھے۔ انھیں اگر یاد تھا وہی کالا، ننھا منا سا ٹڈپول اور اس کی باتیں۔ راستے بھر دونوں اسی کی باتیں کرتے رہے اور دوبارہ تالاب پر جا کر ٹڈپول سے ملنے کے منصوبے بناتے رہے۔

کافی دن ہو گئے، سلمان اور اکرم کو تالاب پر جانے

کا موقع نہیں ملا۔ اسکول سے آتے، کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کرتے اسکول سے ملا ہوا کام پورا کرتے، شام میں تھوڑا بہت کھیلتے اور اسی طرح پورا دن نکل جاتا۔ پتہ بھی نہیں چلا کب ڈیڑھ مہینہ بیت گیا۔

''سلمان پتہ نہیں اب وہ ٹڈپول تالاب میں ہوں گے بھی یا نہیں۔'' ایک روز اچانک اکرم پوچھ بیٹھا۔

''اب کہاں رکھے ہوں گے، اتنے دن ہو گئے۔'' سلمان نے مایوسی سے کہا۔

''چلو کسی روز چلتے ہیں۔ شاید وہ ٹڈپول دوست مل جائے اور ہمیں کچھ نئی باتیں بتائے۔'' اکرم نے سلمان کو جوش دلایا۔

''پھر کسی دن کیوں کل ہی چلتے ہیں۔ اتوار ہے۔'' سلمان واقعی جوش میں آ گیا۔

''کل؟ اتوار کو؟'' اکرم کچھ سوچنے لگا۔

''جانتا ہوں تم اپنا پسندیدہ ٹی وی شو نہیں چھوڑو گے۔'' سلمان نے کہا اور پھر زور زور سے گانے لگا۔

''جنگل جنگل پتا چلا ہے چڈی پہن کے پھول کھلا ہے۔''

اکرم ہنسنے لگا ''سو تو ہے۔'' اس نے کہا۔

''چلو ایسا کرتے ہیں۔ کل صبح صبح تالاب پر چلتے ہیں۔ دیکھیں کیا حالات ہیں۔'' سلمان نے کہا ''بس صبح آ ضرور جانا، ہم نو بجے تک واپس آ جائیں گے۔'' اس نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ ملتے ہیں پھر صبح۔'' دونوں دوستوں نے ہاتھ ملائے اور اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

دوسرے دن صبح دونوں دوست ٹہلنے کے لیے نکل گئے اور تھوڑی دیر بعد وہ تالاب پر نظر دوڑا دوڑا کر اپنے دوست ٹڈپول کو ڈھونڈ رہے تھے۔

''اب نہیں ملے گا۔'' سلمان نے کہا۔

''اکرم نے بھی مایوسی سے سر ہلایا۔ اچانک ایک باریک سی آواز نے انھیں چونکا دیا۔

''دوستو! کیسے ہو؟ کہاں تھے اتنے دن؟''

دونوں ٹڈپول کو دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑے۔

''ارے ٹڈپول میاں! ہم تم ہی کو ڈھونڈ رہے تھے۔'' دونوں نے کہا۔

''میں تو روز تمھارا انتظار کرتا تھا۔ تم آئے ہی نہیں۔'' ٹڈپول نے شکایت کی۔

''معاف کرنا بھئی، ہم اپنا وعدہ نہیں نبھا سکے۔ بس کیا بتائیں آ ہی نہیں سکے۔'' سلمان نے معذرت کی۔

''مگر آج تم کچھ بدلے بدلے سے نظر آ رہے ہو۔'' اکرم نے ٹڈپول کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ارے اس کے تو پیچھے دو پیر بھی نکل آئے ہیں'' سلمان نے حیرت سے کہا۔

''ہاں دیکھو میرے پیروں میں تو اب انگلیاں بھی بن گئی ہیں۔''

''ہاں اب تو تم کچھ کچھ مینڈک جیسے لگنے لگے ہو۔'' سلمان نے پتھر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''مگر اپنی دم کی وجہ سے تم اب بھی مچھلی سے ہی زیادہ ملتے ہو۔ جیسے مچھلی کے جسم پر دو پیر لگا دیے گئے ہوں۔'' اکرم نے مذاق کیا۔

''میں مینڈک ہوں، میں مینڈک کے انڈے میں سے نکلا ہوں۔'' ٹڈپول خفا ہو گیا۔

''نہ نہ خفا نہ ہو۔ تم تو ہمارے دوست ہو۔'' سلمان

نے اسے بہلاتے ہوئے کہا اور پوچھا ''اچھا یہ تو بتاؤ تمھارے یہ پیر کب نکلے؟''

''ابھی ایک ہفتہ پہلے جب میں پانچ ہفتے کا تھا تب ہی میرے پھیپھڑے بھی بننا شروع ہو گئے تھے۔''

''اچھا تو تمھارے پھیپھڑے بھی بن رہے ہیں؟'' اکرم نے شوق سے پوچھا۔

''دیکھتے جاؤ! ابھی مجھ میں کیا کیا اور تبدیلیاں آتی ہیں۔'' ٹڈپول نے کہا اور تیرتا ہوا ایک طرف کو نکل گیا۔

تیرتے ہوئے وہ اپنے لمبے لمبے پیروں سے پانی کو دھکیلتا جاتا تھا اور آگے بڑھتا جاتا تھا۔ اس وقت اکرم اور سلمان کی نظر ٹڈپول کے جسم کے اگلے حصے پر پڑی جہاں ننھے ننھے دو پیر نکل رہے تھے، مگر ابھی یہ ایک ہلکی سی جھلی سے ڈھکے ہوئے تھے۔

''لو یہ تو چلا گیا۔'' سلمان نے کہا ''اب ہم بھی چلتے ہیں بہت دیر ہو گئی ہے۔'' اکرم بولا اور دونوں گھر کی طرف چلنے لگے۔

***

اب اکرم اور سلمان اکثر تالاب پر ٹہلنے جانے لگے، وہ دیر تک تالاب پر نظریں جمائے ٹڈپول کو دیکھنے کی کوشش کرتے مگر وہ نظر نہ آتا۔ کافی دن گزر گئے۔ ایک صبح روز کی طرح دونوں لڑکے تالاب پر ٹہل رہے تھے کہ انھیں ایک جانی پہچانی سی آواز سنائی دی ''دوست!''

انھوں نے خوشی سے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ان کے پیروں سے ذرا دور گھاس میں ایک بہت ہی چھوٹا سا مینڈک بیٹھا ہوا تھا۔ بس دس بارہ ملی میٹر کا ہو گا۔ اس کے جسم کے پیچھے ایک چھوٹی سی دم بھی تھی۔ ''دیکھو کتنا ننھا سا مینڈک'' سلمان نے اکرم کو دکھایا۔

''کیا تم لوگ مجھے بھول گئے؟ میں وہی ہوں تمھارا ٹڈپول دوست۔'' مینڈک نے اپنا پورا جسم گھاس سے باہر نکال لیا۔

''اوہو! تم ہو، ہم تمھیں بھولے تو کبھی نہیں مگر ہاں اب تمھیں پہچاننا واقعی مشکل ہے۔ تم کتنا بدل گئے ہو۔'' اکرم نے کہا۔

''کیا اب بھی تم یہی کہو گے کہ میں مینڈک نہیں مچھلی ہوں۔'' مینڈک نے ذرا اور سامنے آتے ہوئے کہا۔

''نہیں بھئی! اب تمھیں بھلا کون مینڈک کے علاوہ کچھ بھی کہہ سکتا ہے۔ تم تو اب پورے مینڈک ہو گئے ہو۔'' سلمان نے مانا۔

مگر یہ تو بتاؤ، تم میں اتنی تبدیلی کب آ گئی؟ تمھاری تو یک دم کایا پلٹ ہی ہو گئی۔'' اکرم حیرانی سے ننھے مینڈک کو دیکھ رہا تھا۔

''بیٹھو تو میں تمھیں اپنی پوری کہانی سناتا ہوں۔'' مینڈک بولا۔

دونوں ساتھی قریب پڑے ہوئے پتھروں پر بیٹھ گئے۔

''جب میں تم سے پہلی بار ملا تھا'' مینڈک نے کہنا شروع کیا۔ ''تو میری شکل مچھلی سے ملتی جلتی تھی۔ میری لمبی سی دم تھی، پیر نہیں تھے۔ میں گلپھڑوں سے سانس لیتا تھا۔ کائی کھاتا تھا۔ وہ میری زندگی کے شروع کے دن تھے۔ اس وقت میں ٹڈپول کہلاتا تھا۔ پھر کوئی پانچ ہفتے بعد میرے پچھلے پیر نکلے اور پھیپھڑے بننا شروع ہوئے۔ چھ ہفتے کا ہوا تو پیچھے کے پیر خوب لمبے ہو گئے تھے، ان میں انگلیاں بھی بن رہی تھیں۔ سات ہفتے میں انگلیاں

پوری بن گئیں اور آٹھویں ہفتے میں انگلیوں کے درمیان ایک جھلی آ گئی۔ آگے کے پیر چھٹے ہفتے میں صرف دو گھنڈیوں جیسے تھے اور کھال سے ڈھکے ہوئے تھے۔تم تھوڑی چھوٹی ہوگئی تھی۔ تب مجھے لگنے لگا تھا کہ میں مینڈک کی اصلی شکل میں آرہا ہوں۔اس وقت میں اسی لیے تم لوگوں سے بہت خوش ہوکر ملا تھا،مگر تم لوگوں نے میرا مذاق بنایا تھا۔ مجھ پر ہنسے تھے۔ مجھے بہت برا لگا تھا اور میں نے سوچ لیا تھا کہ اب تم لوگوں سے تب ہی ملوں گا جب میں پورا مینڈک بن جاؤں گا۔'' مینڈک بولتا رہا

''بارہ ہفتے میں میرے پھیپھڑے پورے بن گئے، آگے کے پیر بھی پورے ہوگئے۔ جب پھیپھڑے پورا کام کرنے لگے تو میں خشکی پر آ گیا۔اب میں پانی میں سانس نہیں لے سکتا۔اب یہیں گھاس میں یا پتھروں کے نیچے رہتا ہوں۔کبھی کبھی پانی میں تیرنے ضرور چلا جاتا ہوں۔''

''اچھا تو تم کافی دن سے یہاں ہو،مگر ہم نے کبھی دیکھا نہیں۔'' اکرم نے کہا۔

''میں تو تم لوگوں کو ٹہلتے اکثر دیکھتا تھا مگر چھپ جاتا تھا۔''

''اوہو! تو تم ہم سے خفا تھے۔'' سلمان نے کہا۔

''تمھیں انڈے سے نکلنے سے لے کر پورا مینڈک بننے میں کتنا وقت لگا؟'' اکرم نے پوچھا۔

''ساڑھے تین مہینے، مگر کچھ دوسرے مینڈکوں میں یہ وقت کم یا زیادہ بھی ہوسکتا ہے۔تم نے صحیح کہا کہ میری کایا پلٹ ہوگئی ہے۔ دراصل ٹڈپول کی شکل سے ایک بالکل نئی شکل (مینڈک) میں آنے کے عمل کو کایا پلٹ (Metamorphosis) کہتے ہیں۔ ایسا بہت سے دوسرے کیڑوں اور جانوروں میں بھی ہوتا ہے۔''

مینڈک کے بچے نے سمجھایا۔

سلمان اور اکرم بڑے غور سے چھوٹے مینڈک کی باتیں سن رہے تھے۔

''اب تم کیا کھاتے ہو؟'' سلمان نے پوچھا۔

''اب میں گھاس میں چھپے ہوئے اور ہوا میں اڑتے ہوئے کیڑے کھاتا ہوں، میری زبان دیکھو۔'' مینڈک نے اپنی لمبی سی زبان منھ سے باہر نکالی۔ اسی وقت ایک مکھی اڑتی ہوئی آئی اور اکرم اور سلمان کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ غپ سے مینڈک کے منھ میں چلی گئی۔

''تم نے مکھی کیسے پکڑ لی؟'' سلمان نے حیرت سے پوچھا۔

''میری زبان پر ایک چپچپا مادہ ہے جیسے ہی کوئی کیڑا قریب آتا ہے، میں زبان کو پلٹ کر باہر نکالتا ہوں۔ کیڑا زبان پر چپک جاتا ہے اور میں اسے نگل لیتا ہوں۔'' مینڈک نے ایک اور کیڑا نگلتے ہوئے کہا۔

''تمھارے اور ساتھی کہاں ہیں؟'' اکرم نے پوچھا۔

''ہماری زندگی بڑی مشکل زندگی ہے۔ آس پاس ہمارے بہت سے دشمن رہتے ہیں۔ میرے بہت سے ساتھی سارس، چوہوں، چیل، بطخ اور سانپ کی غذا بن گئے۔ کچھ اِدھر اُدھر چلے گئے اور کچھ یہیں گھاس میں یا پتھروں کے نیچے چھپے ہوئے ہوں گے۔''

''یہ تو بہت برا ہوا کہ تمھارے ساتھیوں کو دوسرے جانوروں نے کھالیا۔'' سلمان نے افسوس کرتے ہوئے کہا۔

''ارے بھائی! یہ تو ہوتا ہی ہے۔ کچھ جانور کھاتے ہیں ہمیں، تو ہم بھی کیڑوں کو کھاتے ہیں اور تم انسانوں کے لیے تو یہ اچھا ہی ہے۔ سوچو اگر جانور اس طرح ایک دوسرے کو ختم نہ کریں تو ان کی تعداد کس قدر بڑھ جائے گی اور تم لوگ پریشان ہو جاؤ گے۔'' مینڈک کے بچے نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''مگر اس طرح تو تم مینڈک سب ختم ہو جاؤ گے۔'' سلمان کو فکر ہوئی۔

''میں نے تمھیں بتایا تھا نا ہماری ماں ایک دفعہ میں کئی ہزار انڈے دیتی ہے، تو بہت سے انڈے بچے ختم ہو جانے کے بعد بھی بہت سے مینڈک بچ جاتے ہیں اور ہماری نسل چلتی رہتی ہے۔'' ننھے مینڈک نے بتایا۔

''تم بڑے مینڈک کب بنو گے؟'' اکرم نے پوچھا۔

''میری یہاں پر بہت سے بڑے مینڈکوں سے ملاقات ہوئی ہے، وہ کہتے ہیں کہ تین سال بعد جب میں شادی کے قابل ہو جاؤں گا، تو بڑا مینڈک کہلاؤں گا۔ تب تک میں 15.12 سینٹی میٹر تک کا ہو جاؤں گا۔'' مینڈک نے کہا۔

''تب تک تم یہیں رہو گے؟'' سلمان نے پوچھا۔

''کہہ نہیں سکتا، اکثر مینڈک دور دور بھی چلے جاتے ہیں، اچھے کھانے کی تلاش میں۔ میں بھی جا سکتا ہوں، مگر ہم پانی کے قریب ہی رہنا پسند کرتے ہیں۔''

''وہ کیوں؟'' اکرم نے پوچھا۔

''ہمیں نمی یعنی گیلے ماحول میں رہنا اچھا لگتا ہے۔ پھر گھاس میں چھپنے کی جگہ بھی ہوتی ہے اور کھانے کے لیے کیڑے بھی خوب ملتے ہیں۔ اکثر مینڈکیاں اپنے انڈے بھی پانی ہی میں دیتی ہیں۔''

''میرا دل چاہتا ہے تم بڑے ہو کر بھی ہم سے ملو۔'' اکرم نے کہا۔

''ہاں تم ہمیں ملتے رہو گے تو تم کو مینڈکوں کے بارے میں نئی نئی باتیں ہمیشہ پتہ چلتی رہیں گی۔'' سلمان نے بھی کہا۔

مینڈک کے بچے نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور یہ جا وہ جا۔ اکرم اور سلمان دیکھتے کے دیکھتے ہی رہ گئے۔

■

ماخذ: مچھلی کے بچے، **مصنف**: زاہدہ خاتون
مصور: شیراز حسین، **پہلی اشاعت**: 2023
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

ستیہ گپتا

بیماریوں سے تحفظ

کیا بڑے بچوں کو متعدی امراض سے محفوظ رکھا جا سکتا ھے ؟

بچوں کو کئی بیماریوں سے بچانے کی ضرورت ہے۔ ماں کو ان سے اچھی طرح واقف ہونا چاہیے۔ ان کے متعلق ڈاکٹر سے تمام ضروری معلومات حاصل کرنا چاہیے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ بچے کو چیچک، دق، ٹٹانس، کالی کھانسی، ڈپتھیریا، پولیو اور خسرہ سے بچنے کا ٹیکہ پہلے ہی سال لگوا لینا چاہیے۔ بعد میں ان بیماریوں سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہونے کے لیے وقتاً فوقتاً ان ٹیکوں کا اعادہ کراتے رہیں۔

بچے کو کس ترتیب سے مختلف بیماریوں کا ٹیکہ لگوائیں؟

اس کا دارومدار اس بات پر ہے کہ جس طبقہ یا ملک سے بچے کا تعلق ہے اس میں بیماریوں کی صورت حال کیا ہے۔ ہندوستان میں میرے خیال سے یہ اچھا ہے کہ بچے کو پیدائش کے تین مہینے کے اندر بی سی جی کا ٹیکہ لگا دیا جائے۔ ڈی۔ پی ٹی اور پولیو کے قطرے چوتھے مہینے سے ایک ایک ماہ کے وقفے سے تین بار دینا چاہیے۔ خسرہ کا ٹیکہ نو ماہ سے ایک سال کی عمر کے درمیان اور چیچک کا ٹیکہ ایک سال کی عمر میں لگانا چاہیے۔ ڈی پی ٹی اور پولیو کا پہلا بوسٹر اٹھارہ سے چوبیس ماہ کی عمر کے درمیان ہونا چاہیے اور دوسرا بوسٹر پانچ چھ سال کی عمر میں ہونا چاہیے۔ اس کے بعد ڈی۔ ٹی (ڈپتھیریا، ٹٹانس اور ٹائیفائڈ) ہر پانچویں سال لگنا چاہیے تاکہ ان امراض سے مستقل طور پر حفاظت ہو سکے۔

کیا یہ تمام ٹیکے ہمارے ملک میں موجود ھیں ؟

خسرہ کے ٹیکے کے علاوہ باقی تمام ٹیکے ہندوستان میں ہر جگہ موجود ہیں۔ بعض مقامات پر خسرہ کے ٹیکے بھی مہیا ہیں۔ لیکن اگر خسرہ کا ٹیکہ نہ بھی حاصل ہو سکے تب بھی

باقی تمام ٹیکے ضرور لگوا دینا چاہیے۔

ٹیکوں کے سلسلے میں کیا احتیاط ضروری ہیں؟ کیا ان احتیاط کو نہ برتنے سے کوئی پیچیدگی پیدا ہوسکتی ہے؟

ٹیکوں کے معاملے میں بعض ضروری احتیاط ہیں جن کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیے مثلاً پولیو کا ٹیکہ بچے کو بیماری کی حالت میں نہ دینا چاہیے۔ بلکہ میں یہ کہوں گی کہ سارے ٹیکے اس وقت لگائے جائیں جب بچہ پوری طرح تندرست ہو۔ اگر بچے کو زکام، کھانسی، دست، بخار یا خارش وغیرہ کی بیماری ہو تو اس زمانے میں ٹیکے نہیں لگوانا چاہیے۔ ان حالات میں ٹیکہ لگوانے سے پہلے ڈاکٹر سے ضرور صلاح لینا چاہیے۔ اگر بچے کو کبھی دورے پڑ چکے ہوں تو بھی ڈاکٹر کے مشورے کے بغیر اسے ٹیکے نہ لگوائیں۔

مختلف قسم کے ٹیکے مختلف قسم کی پیچیدگیوں کو جنم دے سکتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم اس ٹیکے کو لیتے ہیں جس سے کوئی پیچیدگی پیدا نہیں ہوتی۔ پولیو کا ٹیکہ ہر قسم کی پیچیدگیوں سے محفوظ ہے۔ ڈی۔ پی ٹی کے ٹیکے سے بچے کو ہلکا سا بخار ہوسکتا ہے جو 48 گھنٹے میں خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ اس بخار میں بچے کو میجرول (Majoral) یا بے بی اسپرین کی ٹکیہ دے دینا چاہیے۔ ان ٹیکوں سے بخار اتر جاتا ہے۔ جہاں تک چیچک کے ٹیکے کا تعلق ہے۔ اگر ٹیکے کی جگہ کی نگہداشت نہ کی جائے تو بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہوسکتی ہیں، حالانکہ قاعدے سے یہ پیچیدگیاں پیدا نہیں ہونا چاہیے۔ ان ٹیکوں کے بعد بخار ہو جاتا ہے اور ٹیکوں میں سرخی اور سوجن پیدا ہو جاتی ہے۔ کبھی کبھی جلد پر چکتے بھی پڑ جاتے ہیں جو ابتدا میں خسرہ کی شکل کے ہوتے ہیں۔ جلد کی کوئی اور بیماری بھی ہوسکتی ہے۔ یہ چکتے جو سرخ رنگ کے ہوتے ہیں خود بخود ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ ایک ایسے بچے میں جو خارش میں مبتلا ہے بدن کے دوسرے حصوں میں ٹیکوں کے سے زخم پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے خارش یا دوسری جلدی بیماریوں کے زمانے میں ٹیکے لگوانا ٹھیک نہیں۔ بعض دوسرے قسم کی پیچیدگیاں بھی پیدا ہوسکتی ہیں لیکن یہ زیادہ عام نہیں ہیں۔ بی سی بی کا ٹیکہ عام طور پر چھ ہفتے میں ٹھیک ہو جاتا ہے لیکن بعض دفعہ اس کی وجہ سے بغلوں اور جانگھیوں میں گلٹیاں نکل آتی ہیں لیکن یہ کوئی تشویشناک بات نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ گلٹیاں چھ ہفتہ کے اندر ختم نہ ہوں تو ڈاکٹر کو دکھانا چاہیے۔ اس دوران ٹیکے کی جگہ پر کھرنڈ آجاتا ہے۔ اگر کھرنڈ کے باوجود ٹیکے سے مواد خارج ہو رہا ہو تو ڈاکٹر کو دکھانا چاہیے۔ لیکن ٹیکے پر کسی قسم کی کوئی دوا یا کوئی اور چیز ہرگز نہ لگانا چاہیے۔

چیچک کے ٹیکوں کے رد عمل کے بارے میں کچھ بتائیں اور یہ بھی بتائیں کہ ان کی دیکھ بھال کیسے کریں؟

چیچک کے ٹیکے تیسرے دن سرخ ہو جاتے ہیں۔ پانچویں دن سے ٹیکے اٹھنے لگتے ہیں۔ ساتویں دن وہ ابل سے جاتے ہیں۔ یہ کیفیت اڑتالیس سے بہتر گھنٹے تک رہتی ہے۔ اس کے بعد یہ پھوٹ جاتے ہیں اور تین ہفتہ میں خشک ہو جاتے ہیں لیکن ان کے داغ باقی رہتے ہیں۔ ٹیکے لگنے کے آٹھویں نویں دن بچے کو ٹیکوں کے زور کی وجہ سے تیز بخار ہو جاتا ہے اور ٹیکے سرخ ہو جاتے ہیں۔ اگر ضروری سمجھیں تو بخار کو کم کرنے کے لیے کوئی دوا دے

دیں۔ ویسے دوا دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ٹیکوں پر کچھ بھی نہ لگایا جائے۔ نہ کوئی پوڈر نہ تیل اور نہ کوئی اور دوا۔ اگر بہت ضروری ہو تو دن میں دو تین بار ٹیکوں پر اسپرٹ لگا دیں جس زمانے میں ٹیکوں سے مواد خارج ہو رہا ہو تو ٹیکوں کو صاف کرنے کے لیے صاف روئی استعمال کرنا چاہیے۔

بی سی جی ٹیکہ کتنی مدت میں ٹھیک ہو جاتا ہے ؟

بی سی جی کا ٹیکہ اُلٹے بازو پر اوپر کی طرف لگایا جاتا ہے۔ ٹیکے کا نشان عام طور پر غائب ہو جاتا ہے۔ دو تین ہفتے تک کوئی ردعمل ظاہر نہیں ہوتا۔ تقریباً تین ہفتے کے بعد ٹیکے کی جگہ پر ایک چھوٹا سا دانہ اُبھر آتا ہے۔ یہ دانہ کچھ دن بعد پک جاتا ہے اور اس میں سے مواد نکلنے لگتا ہے۔ بہرحال دو تین ہفتہ میں یہ ٹھیک ہو جاتا ہے لیکن اس کا نشان باقی رہ جاتا ہے۔ اس دوران بغل میں گلٹیاں نکل آتی ہیں لیکن ٹیکے کا زور ختم ہونے پر خود بخود ٹھیک ہو جاتی ہے۔ بعض بچوں میں یہ گلٹیاں کچھ دیر میں ختم ہو جاتی ہیں۔

بی سی جی کے خراب مظاھر کیا ھوتے ھیں ؟

بی سی جی کا ٹیکہ پک جاتا ہے اور اس میں سے مواد خارج ہونے لگتا ہے اور عام طور پر بارہ ہفتوں میں ٹھیک ہوتا ہے۔ لیکن بعض صورتوں میں اُس کے اچھا ہونے میں کبھی کبھی زیادہ وقت بھی لگ سکتا ہے۔

ہوسکتا ہے کہ بعض صورتوں میں بغلوں میں نکلنے والی گلٹیاں جلد ختم نہ ہوں لیکن جب تک یہ ٹھیک نہ ہو جائیں۔ یا پھوڑے کی شکل اختیار نہ کرلیں ان کو قطعاً ہاتھ نہ لگایا جائے کیونکہ اس صورت میں ان کا باقاعدہ علاج کرانا ہوگا اور لگانے اور کھانے دونوں طرح کی دوائیں استعمال کرنا ہوں گی اس لیے جب کبھی ایسی صورت ہو تو فوراً ڈاکٹر سے مشورہ کرنا چاہیے۔

کیا چیچك کا ٹیکه اگر پھلی بار میں نه اٹھے تو دوبارہ لگوانا چاھیے؟ ڈی پی ٹی کا ٹیکه کس عمر میں لگوائیں؟

اگر چیچک کا ٹیکہ نہ اٹھے تو ہر چھٹے ہفتے اس وقت تک لگواتے رہنا چاہیے جب تک ٹیکے ٹھیک سے نہ اٹھ جائیں۔ اس کے بعد ہر تیسرے سال چیچک کا ٹیکہ لگواتے رہنا چاہیے جیسا کہ میں بتا چکی ہوں۔ ڈی او ٹی کا ٹیکہ ایک سال کی عمر میں دوسری بار اور پانچ سال کی عمر میں تیسری بار لگوانا چاہیے۔ اس کے بعد ہر تیسرے سال D.T کا ٹیکہ لگوانا چاہیے کیونکہ چھ سال بعد DPT کا ٹیکہ نہیں لگایا جاتا کیونکہ یہ ٹیکہ خطرناک ثابت ہوسکتا ہے اس لیے DT ہی لگایا جاتا ہے اور DT کا اعادہ ہر تیسرے سال اس وقت تک ہونا چاہیے۔ جب تک بچہ پندرہ سال کا نہ ہو جائے۔

کالی کھانسی کا ٹیکه خطر ناك کیوں ھوتا ھے ؟

کالی کھانسی کی ویکسین اگر چھ سال کے بعد دی جائے تو ایک لاکھ میں ایک کو دماغی سوزش پیدا ہوسکتی ہے۔ ہم آپ کے بچے کو کسی خطرے میں نہیں ڈال سکتے اس لیے ہم چھ سال کی عمر کے بعد کالی کھانسی کا ٹیکہ لگوانے کا مشورہ نہیں دیتے۔

پولیو سے بچے کو محفوظ کرنے کے بارے میں کچھ بتائیں؟

پولیو کے قطرے اس عمر میں دینا چاہیے جس کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی ویکسین کے چند قطرے بچے کے منہ میں ٹپکا دیے جاتے ہیں لیکن اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ بچے کو دوا دینے سے آدھا گھنٹہ پہلے اور آدھا گھنٹہ بعد کچھ نہ کھلایا جائے۔ اس بات کا بھی اطمینان کر لینا چاہیے کہ پولیو کی دوا دیتے وقت بچے کو ڈائریا، سانس کی شکایت، نزلہ زکام نہ ہو ورنہ دوا سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ یہ بھی ضروری ہے کہ یہ دوا کسی باضابطہ تسلیم شدہ مرکز سے حاصل کی جائے ورنہ ہو سکتا ہے کہ آپ کو نقلی یا خراب ویکسین مل جائے جس کے نتائج بعد میں خراب نکل سکتے ہیں۔ اگر دوا ٹھیک طریقے سے نہ دی جائے تو اس کا اثر نہیں ہوتا۔ اس دوا کو خراب ہونے سے بچانے کے لیے ریفریجریٹر میں ایک خاص درجہ حرارت پر ٹھنڈا رکھنا پڑتا ہے۔ اکثر مرکزوں میں اس کی سہولت مہیا نہیں ہوتی۔ اس لیے اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیے کہ دوا وہیں سے حاصل کی جائے جہاں یہ سہولت موجود ہو۔ پولیو کے قطرے پہلے یا زیادہ سے زیادہ بوسٹر کے بعد دینے کی ضرورت نہیں رہتی۔

بچہ کو ہیضہ اور میعادی بخار سے کیسے بچائیں؟

بچے کو ٹائیفائڈ کا ٹیکہ ہر سال گرمی شروع ہونے سے پہلے لگوانا چاہیے کیونکہ اس ٹیکے کی میعاد چھ ماہ ہوتی ہے۔ بچوں کو آپ ہر جگہ اور ہر قسم کا پانی پینے سے کہاں تک روک سکتے۔ اگر آپ اسے بوتل میں پانی بھر کر دیں تب بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا وہ یا تو یہ پانی دوسرے بچوں کو پلا دے گا یا پھینک دے گا اور دوسرے بچوں کے ساتھ اسکول کے نل سے پانی پیے گا تا کہ اسے کوئی 'نکو' نہ بنا سکے۔ اس کے علاوہ دودھ اور آئس کریم سے بھی ٹائیفائڈ کے جراثیم پھیلتے ہیں۔ بچے آئس کریم کے شوقین ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ اچھا ہے کہ انھیں آئس کریم کھانے سے

روکنے کے بجائے ٹائیفائڈ کا ٹیکہ لگا دیا جائے۔

ہیضہ کا ٹیکہ بچوں کو لگانا اصولاً صحیح اور مناسب نہیں ہے۔

کیا بی سی جی کے ٹیکے کا اعادہ بھی ضروری ہے؟

اگر بچے کو بی سی جی دیا گیا ہے تو ایک سال کی عمر میں اس کی جانچ کرنا چاہیے کہ ٹیکہ کامیاب رہا یا نہیں۔ اس جانچ کو (Mantoux) کہتے ہیں۔ اگر جانچ کا نتیجہ منفی نکلے تو ٹیکہ دوبارہ لگوانا چاہیے۔ اگر نتیجہ مثبت ہے تو ٹیکہ دوبارہ لگانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

ایم ایم آر ویکسین کے متعلق کچھ بتائیے؟

ایم ایم آر ویکسین، خسرہ، گلسوئے (Mumps) اور روبیلا یا جرمن میزل سے تحفظ کے لیے ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں صرف خسرہ کی ویکسین ملتی ہے وہ بھی چند جگہوں پر۔ بقیہ دو قسم کی ویکسین ہندوستان میں موجود نہیں ہے۔ بیرونی ممالک میں یہ ویکسین نہ صرف موجود ہے بلکہ بہت ارزاں بھی ہے۔ اسے یہاں استعمال کے لیے درآمد کرنا بھی ممکن نہیں ہے۔ لیکن جب یہ ہمارے ملک میں تیار ہونے لگے تو اسے ضرور استعمال کیا جائے کیونکہ یہ ایک ہی وقت میں بچے کو تین موذی بیماریوں سے محفوظ کر دیتی ہے۔

جن بچوں کو پہلے سے ٹیکہ نہ لگا ہو انہیں کس ترتیب سے ٹیکے لگائیں؟

اس بچے کے لیے بھی ٹیکوں کی ترتیب وہی ہوگی جو دوسرے ننھے بچوں کے لیے بتائی جا چکی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی چھ برس کا ایسا بچہ ہمارے پاس آئے جس کے کوئی ٹیکہ نہ لگا ہو تو ہم اسے پہلے دن بی سی۔ جی ڈی۔ پی۔ ٹی اور پولیو کا ٹیکہ دیں گے اور دو مہینے تک ہر مہینے ایک بار ڈی پی ٹی اور پولیو کا ٹیکہ لگتا رہے گا۔ اس کے بعد چیچک کا ٹیکہ لگایا جائے گا۔ اگر بچہ چھ سال سے بڑا ہے تو صرف DT کا ٹیکہ لگایا جائے گا جس کی وجہ سے پہلے ہی بتا چکی ہوں۔ باقی ترتیب ویسی ہی رہے گی۔

کیا ٹیکے بیماریوں سے سو فیصد محفوظ کر دیتے ہیں؟

ہوسکتا ہے کہ ٹیکوں سے بیماریوں سے سو فیصد تحفظ نہ ہوتا ہو لیکن ان میں سے اکثر بیماریوں سے نوے فیصدی تحفظ تو ہو ہی جاتا ہے۔ نوے فیصدی میں نے اس لیے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ جب اس کے ٹیکہ لگا ہو تو بیماری کے جراثیم اس کے بدن میں موجود ہوں۔ بہر حال اگر ٹیکہ لگنے کے بعد بیماری ہوتی بھی ہے تو بہت ہلکی ہوتی ہے اور اس کا بچہ کی صحت پر برا اثر نہیں ہوتا۔ اور اگر بچے کے ابتدا ہی میں ٹیکے لگوا دیے جائیں تو بیماری سے سو فیصدی محفوظ رہ سکتا ہے۔ پولیو کے بارے میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ٹیکے کے بعد بھی ہو جاتا ہے لیکن یہ غلط ہے۔ اگر ویکسین صحیح ہو اور ٹھیک طریقے سے دی جائے تو بچے کو پولیو نہیں ہوتا۔ بدقسمتی سے ابھی بعض امراض کے خاتمہ کے لیے کوئی دوا تیار نہیں ہوسکی ہے۔ لیکن جو دوائیں مہیا ہیں ان کے ٹیکے ضرور بچے کو دے دینا چاہیے۔

■

ماخذ: بچے کی صحت: آپ کے سوالات کے جوابات
مصنف: ستیہ گپتا، **مترجم**: شمیم نکہت، **پانچویں طباعت**: 2013، **ناشر**: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات

معلوماتِ عامہ بچوں کے کیریئر اور مستقبل سازی کے لیے بہت ضروری ہے۔ جنرل نالج پوری دنیا سے جوڑنے کا ایک مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ اسی کے ذریعے مسابقہ جاتی امتحانات میں کامیابی کے دروازے کھلتے ہیں، اس لیے بچے اگر ابھی سے تاریخ، ادب وثقافت، سماج اور سائنس کے موضوعات اور معلومات پر اپنی توجہ مرکوز کریں تو مستقبل میں ان کے لیے راہیں آسان ہو جائیں گی۔

1. کس ریاست کو پانچ دریاؤں کی سرزمین کہا جاتا ہے؟
2. اشیا کو زمین کی طرف کھینچنے والی قوت کا نام کیا ہے؟
3. سب سے پہلے کس سائنس داں نے کہا تھا کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے؟
4. ایک میٹر میں کتنے سینٹی میٹر ہوتے ہیں؟
5. Bluetooth کس نے ایجاد کیا؟
6. ہندوستان کے پہلے سٹیلائٹ کا نام کیا ہے؟
7. ہندوستان کا پہلا Oil Refining Plant کہاں واقع ہے؟
8. ہندوستان کے سب سے بڑے ڈیم کا نام کیا ہے؟
9. Miss World کا خطاب جیتنے والے پہلی ہندوستانی کا نام کیا تھا؟
10. ڈائمنڈ کو اردو میں کیا کہتے ہیں؟
11. دنیا میں سب سے زیادہ دودھ پیدا کرنے والے ملک کا نام کیا ہے؟
12. کانپور کس ندی کے کنارے واقع ہے؟
13. اردو کے پہلے ڈرامہ نگار کا نام کیا ہے؟
14. شہد کی مکھی کی کتنی آنکھیں ہوتی ہیں؟
15. انسان کے جسم میں کتنے پھیپھڑے ہوتے ہیں؟
16. پہلا موسمی سیارہ کس ملک نے اور کب چھوڑا تھا؟
17. آئی آئی ٹی کا فل فارم کیا ہے؟
18. چاند ایک سال میں زمین کے گرد کتنے چکر لگاتا ہے؟
19. کلائی پر باندھنے والی گھڑی کس سال ایجاد ہوئی؟
20. دھوپ سے کون سا وٹامن حاصل ہوتا ہے؟

(جواب صفحہ نمبر 23 پر ملاحظہ فرمائیں)

چمن چمن کے پھول

شاعری میں بڑی طاقت ہے۔ اس سے تحریر و تقریر میں تاثیر پیدا ہوتی ہے، خطاب میں زور اور تحریر میں قوت پیدا کرنے کے لیے اشعار کا استعمال بہت کارگر ہوتا ہے۔ پرانے زمانے کے لوگوں کو استاد شعرا کے ہزاروں اشعار یاد ہوا کرتے تھے اور وہ موقعے کی مناسبت سے ان اشعار کا استعمال بھی کیا کرتے تھے۔

'چمن چمن کے پھول' میں مختلف رنگ اور شاعروں کے شعر اس لیے دیے جاتے ہیں تاکہ بچے موضوع کی مناسبت سے اچھے اشعار یاد کریں اور اپنی تحریر و تقریر میں اشعار کا موزوں اور برمحل استعمال کرسکیں۔ (ادارہ)

گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانا زمین پر

—میر انیس

پڑ جائیں مرے جسم پہ لاکھ آبلہ اکبر
پڑھ کر جو کوئی پھونک دے اپریل مئی جون

—اکبر الہ آبادی

تو جون کی گرمی سے نہ گھبرا کہ جہاں میں
یہ لو تو ہمیشہ نہ رہی ہے نہ رہے گی

—شریف کنجاہی

سارا دن تپتے سورج کی گرمی میں جلتے رہے
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا پھر چلی سو رہو سو رہو

—ناصر کاظمی

اب شہر آرزو میں وہ رعنائیاں کہاں
ہیں گل کدے نڈھال بڑی تیز دھوپ ہے

—ساغر صدیقی

یہ دھوپ تو ہر رخ سے پریشان کرے گی
کیوں ڈھونڈ رہے ہو کسی دیوار کا سایہ

—اطہر نفیس

گرمیوں بھر مرے کمرے میں پڑا رہتا ہے
دیکھ کر رخ مجھے سورج کا یہ گھر لینا تھا

—غلام مرتضی راہی

کچھ اب کے دھوپ کا ایسا مزاج بگڑا ہے
درخت بھی تو یہاں سائبان مانگتے ہیں

—منظور ہاشمی

ستم گرمی صحرا مجھے معلوم نہ تھا
خشک ہو جائے گا دریا مجھے معلوم نہ تھا

— کمال جعفری

پگھلتے دیکھ کے سورج کی گرمی
ابھی معصوم کرنیں رو گئی ہیں

—جالب نعمانی

ننھے فنکار

ابوہریرہ، درجہ حفظ، مدرسہ رحمۃ العلوم، نوکاٹولہ، رکسول، ضلع مشرقی چمپارن، بہار

تنوین ظہیر عباس باگیواڑی، درجہ ششم
سرکاری اردو مدرسہ نمبر 2، بیل ہونگل، کرناٹک

شفاء ناز بنت شیخ غلام، شاہ پور، ضلع برہانپور، مدھیہ پردیش

عائشہ شیخ، درجہ نہم، الہدیٰ اردو ہائی اسکول، وجے پور، کرناٹک

سعادیہ ولد محمد جاوید، درجہ ہشتم سی، اسلامیہ گرلز سینئر سیکنڈری اسکول، مالیر کوٹلہ، پنجاب

عرشیہ، ایچ گاڈیال، درجہ نہم، الہدیٰ اردو ہائی اسکول، وجے پور، کرناٹک

حذیفہ ارشاد احمد باگیواڑی، درجہ ششم، سرکاری اردو مدرسہ نمبر2، بیل ہونگل، کرناٹک

سہیرہ فاطمہ مصطفیٰ خان، درجہ اوّل
زیڈ پی اردو اَپر پرائمری اسکول، ہیور کھیڈ، مہاراشٹر

عائشہ شمیم خان، درجہ سوم
المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول پوار بستی چکھلی، پونہ، مہاراشٹر

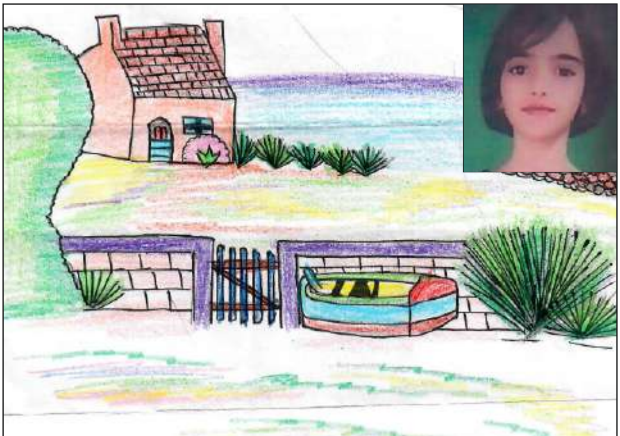

انعم محمد جعفر کالکندری، درجہ ششم، سرکاری اردو مدرسہ نمبر2، بیل ہونگل، کرناٹک

شاہ تزئین آصف، ضلع پریشد اردو اسکول، کسارے، تعلقہ ساکری، ضلع دھولیہ (مہاراشٹر)

مصعب ابراہیم، خان محمد زئی
درجہ 4، انٹرنیشنل انڈین اسکول، اجمان، یو اے ای

ذکریٰ ناز نبیل احمد انصاری، درجہ پنجم اے، حاجی ہاشم حسین ماڈل اسکول، دھولے (مہاراشٹر)

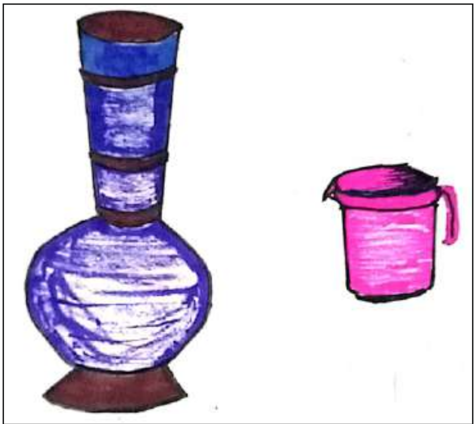

جویریہ وسیم شیخ، درجہ ہفتم، نشاط ہائی اسکول، شہادہ، مہاراشٹر

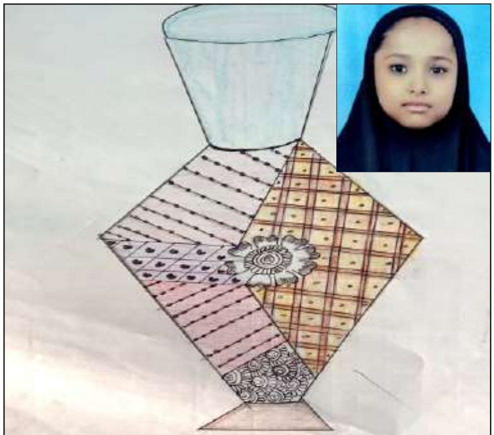

خدیجہ بی زبیر احمد تیلی، درجہ ہفتم، نشاط ہائی اسکول، شہادہ، مہاراشٹر

سیدہ رمشا، درجہ دہم، مہاراشٹر

حرا سراج، درجہ چہارم، اولیوا اکیڈمی، چلما پور، گورکھپور (یوپی)

سکینہ جمیل انصاری، درجہ ششم، نشاط ہائی اسکول، شہادہ (مہاراشٹر)

قلمکاروں سے چند باتیں

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے۔ ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

قلمکاروں سے گذارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلّے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد و شمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی حتمی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔
قلمکار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔
ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

—ادارہ

बच्चों की दुनिया मासिक, जून 2025, वर्ष 13, अंक 06
BACHON KI DUNIYA Monthly, June 2025 Vol. 13, Issue: 06
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/05/2025
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت

ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دل چسپ کتابیں

صفحات : 22، قیمت: 25 روپے

صفحات: 20، قیمت: 25 روپے

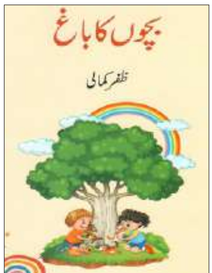

صفحات: 50، قیمت: 20 روپے

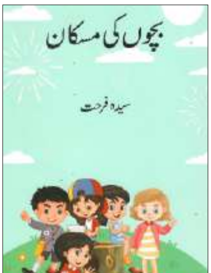

صفحات: 64، قیمت: 25 روپے

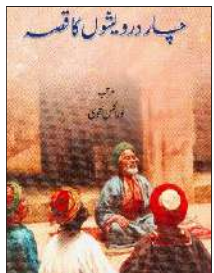

صفحات: 70، قیمت: 30 روپے

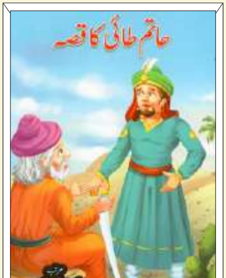

صفحات: 86، قیمت: 30 روپے

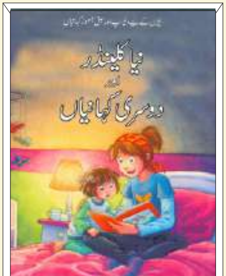

صفحات: 43، قیمت: 15 روپے

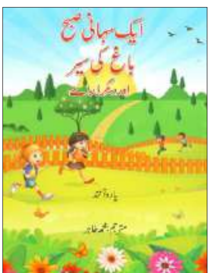

صفحات: 101، قیمت: 35 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.: sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Md Shams Equbal, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at Makoff Printers, B - 127, Sector 65, Noida, U.P
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.